اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | صفر ۱۴۴۳ھ | اکتوبر ۲۰۲۱ء | شمارہ ۱۰

اسباب الفتنة

آزمائش کے اسباب (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے | زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعۃ العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریتی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعۃ العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

اسباب الفتنة

(آزمائش کے اسباب) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ ۲۷۔ ربیع الثانی ۱۳۳۱ ہجری کو موضع سیولی ضلع گڑگاؤں میں اہل محلہ کی درخواست پر ۳ گھنٹے ۵۰ منٹ تک بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مال و اولاد آزمانے کے لیے دی ہے کہ ان کی کثرت ومحبت میں مبتلاء ہوکر حد سے متجاوز تو نہیں ہوجاتا۔ اس وعظ میں محبت اموال واولاد میں اعتدال کی تعلیم اور تجاوز حدود سے ممانعت کی۔ مولانا سعید احمد صاحب تھانویؒ نے مسودہ اجمالی لکھا اور ان کے برادر خورد مولانا ظفر احمدؒ نے تفصیل لکھی۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۰/۶/۲۰۲۱

اسباب الفتنة

(آزمائش کے اسباب) قسط دوم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	حقیقی آزادی.....	۷
۲.....	دلجوئی شرعاً مطلوب ہے.....	۸
۳.....	اشاعت اسلام اخلاق اسلامیہ سے ہوئی.....	۸
۴.....	حضرت حاتم اصمؒ کی حکایت.....	۱۰
۵.....	سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی شان تواضع.....	۱۰
۶.....	حضرت حاجی صاحب کی شان استغناء.....	۱۱
۷.....	دور حاضر کا اختلاف مذاق.....	۱۲
۸.....	مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی حکایات.....	۱۳
۹.....	امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ کا زہد.....	۱۳
۱۰.....	علماء کو غلطی کے اعتراف میں عار نہیں کرنا چاہیئے.....	۱۴
۱۱.....	حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلویؒ کی حکایت	۱۵
۱۲.....	اظہار لاعلمی کوئی عیب نہیں.....	۱۶
۱۳.....	بلاغت کی حقیقت.....	۱۷
۱۴.....	مثنوی رومی کی بلاغت.....	۱۸
۱۵.....	بے ربطی میں ربط.....	۱۹
۱۶.....	بہنوں کا حصہ.....	۲۰
۱۷.....	معافی کی حقیقت.....	۲۰
۱۸.....	بہنوں کا حق.....	۲۲

۱۹.....	بہن کا اپنا حق معاف کرنے کا طریقہ.....	۲۳
۲۰.....	طلباء کا احدی پن.....	۲۴
۲۱.....	ملاجیون کے طالب علموں کا قصہ	۲۵
۲۲.....	پھلوں کی بیع کا جائز طریقہ.....	۲۵
۲۳.....	دور آزادی.....	۲۷
۲۴.....	سوال کا جواب مرض کے مطابق.....	۲۹
۲۵.....	دل سے پردے اٹھانے والا دستور العمل.....	۳۰
۲۶.....	محاسبہ نفس.....	۳۱
۲۷.....	حکایت حضرت پیران پیرؒ.....	۳۳
۲۸.....	علماء کا بہم اختلاف اور اس کا جواب.....	۳۴
۲۹.....	علماء حق کا انتخاب.....	۳۵
۳۰.....	اختلاف اُمت رحمت ہے.....	۳۶
۳۱.....	زمانہ طاعون میں تیجہ دسواں موقوف رہا.....	۳۷
۳۲.....	علماء اہل حق کی پہچان.....	۳۹
۳۳.....	یزید کو برا کہنا کیسا ہے؟.....	۴۰
۳۴.....	ارشاد حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ.....	۴۰
۳۵.....	حب مال کا علاج.....	۴۲
۳۶.....	لفظ فتنہ کا مفہوم.....	۴۲
۳۷.....	مال اور اولاد میں امتحان.....	۴۳
۳۸.....	اموال اور اولاد کے امتحان ہونے میں ایک شبہ.....	۴۴
۳۹.....	اصل کمال.....	۴۵
۴۰.....	شریعت نے ذرائع ترقی سے منع نہیں کیا.....	۴۶
۴۱.....	مال واولاد میں نفع.....	۴۸
۴۲.....	اخبار الجامعہ.....	۴۹

نوٹ: گزشتہ وعظ کا آخری عنوان (حضرت گنج مرادآبادیؒ کے پاس لیفٹیننٹ کی آمد) تھا

حقیقی آزادی

حضرت بس آزادی یہ ہے کہ جو ان حضرات میں تھی یہ آزادی نہیں ہے کہ ایسا لباس پہنیں کہ بدوں (۱) کرسی کے بیٹھ ہی نہ سکیں یہ تو پوری قید ہے بعضی وضع ایسی ہوتی ہے کہ اگر وہ مکمل ہی ہو تو اچھی معلوم ہوتی ہے اور ادھوری ہو تو بری معلوم ہوتی ہے (مثلاً کوٹ پتلون کے ساتھ دہلی کا جوتہ برا معلوم ہوتا ہے نیز دو پلی ٹوپی بھی اس پر بھدی لگتی ہے اب کوٹ پتلون ہو تو اس کے ساتھ جوتہ اور ٹوپی بھی اس کے مناسب ہونا چاہئیے) تو بتلایئے یہ قید ہوئی یا نہیں اور ایک لباس ہی میں کیا میں تو ہر تکلف کو قید سمجھتا ہوں۔ بس آزادی یہ ہے کہ انسان ایک شریعت کی قید کے سوا کسی قید کا پابند نہ ہو۔ یہ قید تو ضروری ہے اسی کا باقی رہنا تو مطلوب ہے مگر میں اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ قید گراں نہیں ہے واللہ اس میں وہ لذت ہے کہ جو اس کا پابند ہے وہ کبھی اس سے خلاصی نہیں چاہتا کیونکہ

اسیرت نخواہد رہائی زبند شکارت نجوید خلاص از کند (۲)

یہ تو زلف یار کی قید ہے اور زلف یار کی قید سے کون رہائی چاہتا ہے ہاں جو اس قید کا پابند ہے وہ باقی تمام قیود سے آزاد ہو جاتا ہے ان کے متعلق تو وہ یوں کہتا ہے۔

گر دو صد زنجیر آری بگسلم غیر زلف آں نگار مقبلم (۳)

وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے خواہ لباس میں پیوند لگے ہوں یا جوتا ٹوٹا ہوا ہو کیونکہ وہ ان سب کو محبوب کی طرف سے سمجھتا ہے اور ہر چہ از دوست میرسد نیکوست (جو کچھ محبوب کی طرف سے پہنچے وہی بہتر ہے) پس آپ اس قید زلف سے نہ گھبرائیں کیونکہ واللہ یہی عزت کا ذریعہ ہے باقی سب قیدیں توڑنے کے قابل ہیں (اس قید سے

(۱) بغیر کرسی کے (۲) ''تیرا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا ہے تیرا شکار کمند سے خلاصی نہیں ڈھونڈتا'' (۳) ''اگر دو سو زنجیر بھی لاؤ میں توڑ ڈالوں گا سوائے اپنے محبوب کی زلف کی زنجیر کے''۔

آدمی خدا کا غلام بنتا ہے اور باقی قیود سے نفس وشیطان کا غلام بنتا ہے اور خدا کا غلام سب کا بادشاہ ہوتا ہے اور نفس وشیطان کا غلام سب کا غلام ہے وہ ہر جگہ ذلیل ہی ہوتا ہے ۱۲) تو ہماری زندگی ایسی سادہ ہونی چاہیئے جیسی سلف کی زندگی تھی۔

دلجوئی شرعاً مطلوب ہے

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب لباس تبدیل کرنے کے لیے عرض کیا گیا تو اول آپ نے اپنے مذاق کے موافق انکار کیا اور فرمایا کہ ہم کو خدا نے اسلام سے عزت دی ہے بس یہی عزت ہمارے واسطے کافی ہے، لباس کی عزت ہم کو نہیں چاہیئے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت مسلمانوں کی دلجوئی ہی کے لیے لباس بدل لیجئے یہ بھی اسلام کا عجیب مسئلہ ہے کہ اگر کوئی بات اپنی وضع اور مذاق کے خلاف ہو اور شریعت سے ممنوع نہ ہو تو احباب کے اصرار پر ان کی دلجوئی کے لیے کر لینا چاہیئے دلجوئی شرعاً مطلوب ہے بشرطیکہ حد جواز تک ہو افسوس آج ہم میں یہ بات نہیں رہی حالانکہ یہ خاص مسلمانوں کا وصف ہے اور اشاعت اسلام زیادہ تر اسی دلجوئی سے ہوئی ہے لوگ کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیا کرتے تھے کہ شمشیر کے لیے شمشیر زن بھی تو چاہئیں تو وہ شمشیر زن کہاں سے جمع ہو گئے تھے۔

اشاعت اسلام اخلاق اسلامیہ سے ہوئی

ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہی نے جمع کیا تھا پس ثابت ہوا کہ دراصل اشاعت اسلام اخلاق اسلامیہ سے ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ورحمت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے ہیں تو وہاں کے رؤسا نے آپ کو سخت جواب دیا اور قبول اسلام سے انکار کر دیا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بستی کے شریروں کو بھڑکا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈھیلے پتھر پھینکیں اس وقت غیرت خداوندی کو جوش ہوا اور بحکم الٰہی حضرت جبرئیل علیہ السلام ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) کو ساتھ لے کر آئے اور عرض کیا حق تعالیٰ نے سلام کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے

آپ کی قوم کا برتاؤ آپ کے ساتھ دیکھا اور ملک الجبال کو حکم دے دیا ہے کہ آپ جو کچھ اس سے فرمائیں اس کی تعمیل کرے۔ اگر آپ حکم دیں تو یہ اسی وقت طائف کے دونوں پہاڑوں کو باہم ملادے۔ جس سے ساری آبادی پس کر رہ جائے مگر اللہ رے آپ کی رحمت آپ نے فرمایا کہ چھوڑ دو مجھ کو اور میری قوم کو، میں ان کی تباہی نہیں چاہتا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ان کی آنکھیں کھل جائیں اور اگر یہ اسلام نہ لائیں تو مجھے امید ہے کہ شاید ان کی اولاد میں سے کوئی شخص خدا کی توحید کا اقرار کرلے۔ آپ کی دلجوئی کی یہ حالت تھی کہ جب بنوثقیف کے کفار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اتارا تاکہ پاس کے پاس ان کی خاطر مدارات اچھی طرح ہوسکے (اور یہ بھی مصلحت تھی کہ وہ مسلمانوں کی عبادات اور نماز وغیرہ کو اچھی طرح دیکھ لیں۔ چنانچہ ان پر اس کا اثر ہوا اور وہ اسلام لانے پر آمادہ ہوگئے) پھر یہ بھی دلجوئی کی کہ بعض نے اسلام لانے کے لیے یہ شرط پیش کی تھی کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے بعض نے کہا کہ ہم جہاد نہ کریں گے آپ نے فرمایا اچھا بہتر ہے تم زکوٰۃ نہ دینا نہ جہاد کرنا۔ صحابہؓ کو اس شرط کی منظوری پر حیرت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جب یہ اسلام لے آئیں گے تو سب کچھ کریں گے کیونکہ جب اسلام دل میں آجاتا ہے تو یہ حالت ہوجاتی ہے۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　فرزند وعیال وخانماں راچہ کند(۱)

اسلام کے بعد نہ مال کی محبت رہتی ہے نہ جان کی، اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی حسین کسی سے کہے کہ مجھے دیکھو اور دیکھنے والا کہے کہ اس شرط سے دیکھتا ہوں کہ بیوی کو نہ چھوڑوں گا اور وہ اس شرط کو منظور کرلے تو حقیقت میں یہ منظوری محض ظاہری ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مجھ کو دیکھنے کے بعد یہ خود ہی سب کو چھوڑ دے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منظوری بھی محض ظاہری تھی جو حقیقت میں نامنظوری تھی آپ جانتے تھے کہ یہ سب شرطیں اسلام لانے سے پہلے ہی ہیں اسلام کے بعد یہ خود ہی سب

(۱) ''جس شخص نے تجھ کو پہچان لیا وہ جان کو کیا کرے گا اہل وعیال مال واسباب کو لے کر کیا کرے گا''۔

کچھ کریں گے چنانچہ یہی ہوا کہ اسلام لانے کے بعد ان لوگوں نے جہاد بھی کیا اور زکوٰۃ بھی دی۔ اس دلجوئی ہی سے لوگ کھینچے چلے آتے تھے اس لیے ہمارے اکثر بزرگوں نے نرمی اور دلجوئی سے بہت کام لیا ہے۔

حضرت حاتم اصمؒ کی حکایت

مجھے حضرت حاتم اصمؒ کی حکایت یاد آئی کہ ایک شخص نے مجمع میں ان کے سامنے ہدیہ پیش کیا اول تو انہوں نے قبول سے انکار کیا اس نے اصرار کیا تو آپ نے لے لیا۔ لوگوں نے بعد میں پوچھا کہ حضرت اگر آپ کو لینا ہی تھا تو پہلے انکار کیوں کیا اور جو نہ لینا مقصود تھا تو بعد میں کیوں لے لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اصل میں تو مجھ کو لینا مقصود نہ تھا اس لیے انکار کر دیا تھا مگر پھر میں نے دیکھا کہ اس وقت مجمع میں ہدیہ رد کر دینے سے اس شخص کی ذلت ہوگی اور میری عزت اور لے لینے سے میری ذلت ہوگی کہ انکار کے بعد لے لیا اور اس کی عزت ہوگی تو میں نے اپنے بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی اب ہماری یہ حالت ہے کہ دلجوئی کریں گے تو ایسی کہ حرص میں مبتلا ہو جائیں گے پس جو آیا لے لیا چاہے حرام ہو یا حلال واپس کرنا جانتے ہی نہیں یا استغناء برتتے ہیں تو ایسا جو کبر کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے استغناء میں چونکہ اپنی عزت ہوتی ہے اور ایک قسم کا حظ (۱) حاصل ہوتا ہے اس لیے اس میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں کہ پھر کسی کا دل توڑنے کی بھی پروا نہیں کرتے غرض ہماری کوئی بات اعتدال کی نہیں بس یہ حالت ہے۔

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی چونکہ خوردی تند و بدرگ میشوی (۲)

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی شان تواضع

مجھے حضرت حاجی صاحبؒ کی حکایت یاد آئی، بلکہ دو حکایتیں یاد آئیں، ایک سے حضرت کی شان استغناء کا پتہ چلے گا، دوسری سے تواضع کا۔ تواضع تو اس سے ظاہر

(۱) مزہ (۲) ''جب بھوکا ہوتا ہے تو کتا جیسا ہو جاتا ہے اور جب شکم سیر ہوتا ہے تو مغرور و متکبر بن جاتا ہے''۔

ہے کہ حضرت جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اول اول ایک رباط (۱) میں قیام فرمایا ایک دن کوئی شخص رباط میں رہنے والوں کو ایک ایک دوانی تقسیم کرتا پھر رہا تھا جب وہ حضرت کے حجرہ پر پہنچا تو یہاں شاہانہ دربار تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرت کو لطیف طبیعت عطا فرمائی تھی اس لیے سب صاف ستھرا سامان رہتا تھا، وہ یہ دیکھ کر رکا اور حضرت کو دونی نہ دی تو آپ خود فرماتے ہیں کہ بھائی تم نے ہمارا حصہ نہ دیا وہ کہنے لگا حضرت آپ کی خدمت میں ایسی حقیر چیز پیش کرنا خلاف ادب ہے۔ فرمایا سبحان اللہ اگر ہر شخص یہی سمجھتا تو پھر یہ سامان کہاں سے ہوتا کیا تم مجھے زمرہ فقراء سے خارج سمجھتے ہو بھائی میں تو فقیر ہی ہوں اور فقیر سمجھ کر ہی لوگ کچھ دلا جاتے ہیں اسی سے یہ سامان اکٹھا ہو گیا جو تم دیکھ رہے ہو لاؤ تم میرا حصہ لاؤ یہ سن کر تو وہ شخص باغ باغ ہو گیا کہ اللہ اکبر میرے ایسے کہاں نصیب کہ حضرت خود مانگیں اور خوشی خوشی ایک دونی پیش کر دی یہ تو شان تواضع تھی کہ ایک دونی کے لیے بھی اپنی احتیاج ظاہر فرمائی۔

حضرت حاجی صاحب کی شان استغناء

اور شان استغناء یہ تھی کہ ایک دفعہ حضرت پر کئی دن کا فاقہ تھا، ایک میمن نے صورت سے پہچان لیا کہ حضرت فاقہ سے ہیں وہ حضرت کی لنگی مانگ کر لے گیا اور اس میں دو سو ریال باندھ کر لایا۔ اس وقت حضرت نماز یا ذکر میں مشغول تھے وہ پاس رکھ کر چلا گیا۔ اب استغناء کی یہ کیفیت دیکھئے کہ حضرت نے جب لنگی اٹھائی تو اس کا وہم بھی نہیں ہوا کہ یہ ریال اس نے مجھے دیئے ہیں بلکہ یہ سمجھے کہ امانت رکھ گیا ہے، اٹھا کر احتیاط سے امانت کی جگہ رکھ دیا اور دوسرے وقت پھر فاقہ سے رہے۔ اس میمن نے جب دوسرے وقت بھی اسی حال سے دیکھا تو آ کر عرض کیا کہ آپ نے وہ ریال خرچ کیوں نہ کر لئے۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی امانت کو کیسے خرچ کر لوں کہا حضرت وہ امانت نہ تھی بلکہ وہ تو میں ہدیہ دے گیا تھا فرمایا ہدیہ اس طرح دیا کرتے ہیں کہ پاس رکھ کر چلے

(۱) سرائے۔

گئے کچھ کہا نہ سنا، اس نے غلطی کی معافی چاہی تب آپ نے ان کو خرچ کیا تو شان استغناء یہ تھی کہ دو سو ریال پر (جو کہ سوا دو سو روپے سے زیادہ ہوتے ہیں) ضرورت وحاجت کے وقت بھی ہدیہ کا گمان نہ ہوا بلکہ امانت ہی سمجھتے رہے ہم سوال (۱) ہوتے تو نہ معلوم کتنی تاویلیں کر کے اس کو ہدیہ بنا لیتے اور کوئی دونی لا کر ہم کو دیتا تو اس کو سوسناتے کہ ہم کیا غریب محتاج ہیں تجھ کو آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ بس دوانیاں (۲) بانٹتے چلے تو جو سامنے آیا اس کو غریب سمجھ کر ایک دوانی دے دی یہ کوئی آدمیت ہے۔ ان حضرات میں استغناء بھی تو ضع کے ساتھ تھا اس لیے اگر کسی وقت استغناء سے دوسرے کی ذلت ہوتی تو وہاں یہ حضرات صورت استغناء کو چھوڑ کر تواضع کی صورت اختیار کر لیتے تھے جیسا حضرت حاتم اصمؒ نے کیا کہ اپنی عزت کو مسلمان کی عزت پر نثار کر کے انکار کے بعد بھی اس کا ہدیہ قبول کر لیا۔ صاحبو! یہ برتاؤ تھا ہمارے بزرگوں کا وہ استغناء اور دلجوئی دونوں کو جمع کرتے تھے ہمارے حضرات عاقل عالم شیریں دلجو خلیق اور مستغنی سب کچھ ہوتے تھے ان کی یہ شان تھی۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری (۳)

دور حاضر کا اختلاف مذاق

مگر اب یہ حالت ہے کہ ایک طبقہ نے ایک بات لے لی دوسرے نے دوسری بات لے لی کوئی حد سے زیادہ خلیق بن گیا کوئی مستغنی بن گیا اور افسوس ہے کہ باہم اہل حق کے اندر الگ الگ پارٹیاں ہو گئیں۔ جدا جدا طبقے ہو گئے ہماری یہ حالت افسوسناک ہے میں کہتا ہوں کہ اگر یہ اختلاف حد شرع سے متجاوز ہے تو جس نے تجاوز کیا ہو وہ اپنی اصلاح کرے اور اگر حدود شرعیہ کے اندر ہے تو یہ پارٹی بندی کیسی سب کو یہ تفریق قطع کر کے ایک ہو جانا چاہیئے۔ آخر اختلاف مذاق حد شریعت کے اندر اندر تو سلف میں بھی ہوا ہے مگر وہاں یہ تفریق نہ تھی کوئی ایک دوسرے پر اعتراض نہ کرتا تھا مگر اب یہ حالت ہے کہ ہر ایک دوسرے پر اعتراض کرتا ہے نہ ادھر تہذیب رہی نہ ادھر۔ ہم کو

(۱) ہمارے جیسے ہوتے (۲) ایک روپیہ میں ۱۶ آنے کے سکے کو چونی اور دو آنے کے سکے دو دونی کہتے تھے (۳) ''حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا رکھتے ہو جو تمام محبوب رکھتے ہیں وہ تنہا تمہارے اندر ہیں''۔

اپنے سلف کے حالات میں غور کرنا چاہیئے۔

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی حکایات

ہمارے بزرگان دین کی حکایتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے اصلاح ہوجاتی ہے۔ سلف کی حکایات کو اصلاح میں بڑا دخل ہے اس لیے حکایات سلف کا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ وہ کس طرح نرمی اور دلجوئی کرتے تھے۔ مولانا شاہ عبدالقادرؒ صاحب کے وعظ میں ایک شخص آیا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا جب وعظ ختم ہوچکا تو آپ نے اس شخص کو ٹھہرالیا وہ ڈرا کہ اب میری خبر لی جاوے گی مگر مولانا تو ایسے پردہ پوش تھے کہ ایک بار آپ کے درس حدیث میں ایک معقولی طالب علم جنابت کی حالت میں بدوں نہائے چلا آیا آپ کو کشف سے معلوم ہوگیا کہ یہ جنبی ہے فوراً آپ نے درس بند کرکے اس سے فرمایا کہ بھائی وہاں ہی ٹھہرو آج تو جمنا کی سیر کو دل چاہتا ہے آپ اور سب طلبہ تیار ہوگئے اور وہاں جاکر غسل کیا اس نے بھی غسل کیا۔ پھر فرمایا لاؤ کچھ پڑھ لو ناغہ کیوں کیا جاے۔ تو مولانا کسی کی کیا خبر لیتے۔

چنانچہ اس شخص کو ٹھہرا کر فرمایا کہ بھائی مجھ میں ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا لٹک جاتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہنے وہ جہنم میں جلے گا تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں اس عذاب میں گرفتار نہ ہوں زرا دیکھنا میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تو نہیں۔ وہ شخص قدموں میں گر پڑا کہ حضرت خدانخواستہ آپ میں یہ عیب کیوں ہوتا یہ عیب تو میرے اندر ہے میں آج سے توبہ کرتا ہوں پھر ایسا کبھی نہ کروں گا یہ تھی ہمارے بزرگوں کی نرمی اور دلجوئی۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ کا زہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو کیوں چھوڑتے۔ چنانچہ آپ نے احباب کی دلجوئی کے لیے لباس کا بدلنا منظور فرمایا۔ اب دوسرے جوڑے کی تلاش ہوئی اور امیر المؤمنین کی گٹھڑی دیکھی گئی تو اس میں دوسرا جوڑا کہاں تھا وہ تو نہ پیسہ روپیہ جمع کرتے

تھے نہ جوڑے اور کپڑے بس آپ کے پاس تو وہی ایک جوڑا تھا جو تن پر تھا۔

سید احمد نے غالباً فتوحات اسلامیہ میں آپ کے زہد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب انتقال کے وقت عزرائیل علیہ السلام آئے تو حضرت عمرؓ کے گھر کو دیکھ کر بولے سبحان اللہ یہ امیر المؤمنین کا گھر ہے جہاں کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا جس گھر میں تم آنے والے ہو اس کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ غرض کسی مسلمان سے ایک جوڑا مانگا دے دیا، جس کو پہن کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے مگر دو چار ہی قدم چلے تھے کہ فوراً اتر پڑے اور فرمایا کہ تم نے تو اپنے بھائی عمر کو ہلاک ہی کر دیا تھا یہ کپڑے پہن کر اور اس سواری پر سوار ہو کر تو میری حالت بدل گئی لاؤ میرے وہی کپڑے اور وہی اونٹنی (واقعی حضرت عمرؓ سے شیطان بالکل عاجز تھا اور عاجز کیا معنی ڈر کر دور بھاگتا تھا ان پر شیطان کا کبھی قابو نہیں چلا ۱۲) چنانچہ اس حالت سے نصاریٰ کے سامنے پیش ہوئے اور یہی ہیئت سبب ہوئی فتح بیت المقدس کی کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ کی یہی شان لکھی گئی تھی۔ غرض ہمارے بزرگان دین کا یہ طرز تھا کہ وہ تکلف اور تصنع سے بہت احتراز کرتے تھے سادگی اور بے تکلفی ان کا شعار تھا مسلمانوں کو اپنی معاشرت ایسی ہی رکھنا چاہیئے۔

علماء کو غلطی کے اعتراف میں عار نہیں کرنا چاہیئے

اور میں بالخصوص اہل علم کو بھی ایک بات کہتا ہوں گو ان کو کسی کے کہنے سننے کی ضرورت نہیں مگر خیر بے ضرورت بھی تو بعض باتیں کر لی جاتی ہیں وہ یہ کہ علماء کی سادگی صرف اسی بات میں نہیں کہ وہ کسی خاص موقعہ پر جوڑا نہ بدلیں بلکہ ہماری اصلی سادگی اور بے تکلفی یہ ہے کہ اگر کوئی بات ہم کو معلوم نہ ہو یا کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آوے تو پچاس آدمیوں کے سامنے کہہ دیں کہ ہم کو معلوم نہیں یا ہماری سمجھ میں نہیں آیا مدرس کی بے تکلفی یہ ہے کہ اگر اس سے کسی مقام کی تقریر میں غلطی ہو جائے اور شاگرد متنبّہ کرے تو فوراً اپنی غلطی کا اقرار کر لے۔ آج ہم اس صفت کو مفقود پاتے ہیں۔ مگر حضرت مولانا محمد

یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دس مرتبہ کی حکایت ہے کہ جہاں آپ سے تقریر میں کچھ فروگذاشت ہوا اور کسی طالب علم نے عرض کر دیا تو فوراً فرمادیتے کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی اور صحیح تقریر یہی ہے جو تم نے کی اور مولانا کا اس حالت کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کو ایک ہی مجلس میں بار بار فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے غلطی ہوئی تم ٹھیک کہتے ہو۔ اور ہم میں یہ مرض ہے کہ طلبہ کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار کبھی نہیں کریں گے اگر وہ صحیح بھی کہتا ہوگا تو گھونٹ گھانٹ کر اسے بند کر دیں گے پھر یہ مرض متعدی ہوا کہ ان طالب علموں نے بھی اپنے شاگردوں کو گھونٹنا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ سب میں تکلف اور تصنع کا مرض اچھی طرح سرایت کر گیا اور جہل مرکب میں مبتلا رہے سوا لگ۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلویؒ کی حکایت

میں نے حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت اپنے دو بزرگوں سے سنی ہے کہ مکہ معظّمہ میں ایک بزرگ عالم قرآن کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے اس طرح کہ پہلے آیت پڑھتے پھر اس کے متعلقات ہر فن کے مسائل بیان کرتے۔ حضرت شاہ صاحب بھی ان کے حلقہ میں کبھی کبھی جا بیٹھتے تھے۔ایک دن شیخ نے کسی مقام پر ایک فقہی مسئلہ میں غلطی کی اس وقت تو شاہ صاحب خاموش رہے جب درس ختم ہو چکا اس وقت پاس جا کر چپکے سے متنبّہ کیا کہ یہ مسئلہ مجھ کو اس طرح یاد ہے۔ ان بزرگ نے فوراً تمام طلبہ کو پکار کر واپس بلایا سب جمع ہو گئے تو کہا قد غلطنا فی ھذہ المسئلۃ و نبھنا علیہ ھذا الشیخ و الصحیح ھکذا یعنی ہم نے اس مسئلہ میں غلطی کی جس پر ہم کو اس شیخ (ہندی یعنی شاہ صاحب) نے متنبّہ کیا اور صحیح تقریر اس کی یوں ہے پھر شاہ صاحب کی بیان کردہ تقریر کا اعادہ کیا دیکھئے علماء یہ حضرات ہیں کہ ان کو یہ کہتے ہوئے ذرا بھی رکاوٹ نہیں ہوئی کہ ہم سے یہاں غلطی ہوگئی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یوں بھی کہہ دیا کہ اس شیخ نے ہم کو متنبّہ کیا حالانکہ حضرت شاہ صاحب نے خفیہ اسی لیے متنبّہ کیا تھا کہ اگلے دن یہ اس مقام کی صحیح تقریر اپنی طرف سے کر دیں مگر ان کو اتنا

صبر کہاں تھا اسی وقت سب کو بلا کر صاف اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اپنے محسن کو بھی ظاہر کر دیا جس نے غلطی پر متنبّہ کیا تھا اگر ہم سِوال (۱) ہوتے تو اول تو اپنی غلطی ہی کو تسلیم نہ کرتے اسی میں بحث شروع کر دیتے اور جو تسلیم بھی کرتے تو اس طرح صاف صاف اقرار نہ کرتے اور جو کرتے بھی تو یہ ظاہر نہ کرتے کہ اس غلطی پر ہم کو کسی دوسرے نے متنبّہ کیا ہے بلکہ اگلے دن اس طرح تقریر کرتے کہ طلبہ پر یہ ظاہر ہوتا کہ شیخ کو خود ہی تنبہ ہوا ہے۔ آخر یہ تکبر اور تصنع نہیں ہے تو پھر کیا ہے۔

اظہار لاعلمی کوئی عیب نہیں

صاحبو! کسی بات کے متعلق لاعلمی ظاہر کر دینا کوئی نقص نہیں نہ کوئی عیب ہے ہم اور آپ تو کیا چیز ہیں بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال پر لا ادری (میں نہیں جانتا) فرمایا چنانچہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے اچھی جگہ کونسی ہے اور سب سے بری جگہ کونسی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھ کر بتلاؤ گا۔ چنانچہ حضرت جبرئیل سے پوچھا انہوں نے کہا مجھے بھی معلوم نہیں، حق تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا حق تعالیٰ سے پوچھا تو ارشاد ہوا خیر البقاع المسجد و شر البقاع السوق (۲) دیکھئے بعض دفعہ انبیاء اور ملائکہ نے بھی لا ادری (مجھے معلوم نہیں) فرمایا ہے تو پھر آپ کی اس میں کیا شان گھٹتی ہے مگر افسوس ہم سے کبھی یہ نہیں ہوسکا۔ پس اگر کسی عالم میں یہ وصف موجود ہو تو بیشک فخر کی بات ہے اور واقعی اس میں تصنع و تکلف نہیں ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو اس کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے باقی یہ کوئی فخر نہیں کہ ہم نے عمامہ نہیں باندھا جبہ نہیں پہنا ننگے پیر چل لیے کیونکہ ان باتوں سے تو تعریف ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ فلانا بہت بے نفس اور متواضع ہے اور جس بات سے تعریف ہوتی ہو اس کا اختیار کرنا بڑا کمال نہیں اور اگر یہ کہو کہ لا ادری (مجھے معلوم نہیں) کہنے میں بھی تو تعریف ہوتی ہے۔ تو یہ سچ ہے مگر اس وقت تو ذلت ہی

(۱) ہم جیسے (۲) ''سب سے اچھی جگہ مسجد ہے اور سب سے بدتر بازار ہے'' مجمع الزوائد للہیثمی: ۲/ ۶، موارد الظمآن للہیثمی: ۲۹۹، کنز العمال: ۲۰۷۲۰، ۲۰۷۴۸۔

ہوتی ہے گو بعد میں تعریف ہو۔ یہ ساری گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے بعض صاحبوں کو روشنی زیادہ کرنے کے اہتمام میں دیکھا تھا اس پر میں نے یہ سب عرض کی ہیں کہ ہم میں بے تکلفی اور سادگی ہونا چاہیئے گو اس مضمون کا آیت سے کوئی تعلق نہ تھا ویسے ہی درمیان میں ایک ضروری بات پر متنبّہ کرنا چاہا تھا۔ اور دیر تک اس کو ممتد کرنے کا قصد نہ تھا یہ خدا سازبات ہے کہ اس پر گفتگو بڑھ گئی ممکن ہے کہ اس میں کوئی مصلحت ہو اپنی طرف سے تو میں بیان میں ارتباط(۱) کا لحاظ رکھتا ہوں لیکن جب حق تعالیٰ کسی خاص مضمون کو بیان کرانا چاہتے ہیں پھر ربط وغیرہ کا خیال نہیں رہتا اس وقت وہی کہنا پڑتا ہے جو وہ کہلواتے ہیں جیسا کہ مولانا رومی نے بیان فرمایا ہے۔

قافیہ اندیشم و دلدار من　　گویدم مندیش جز دیدار من(۱)

بلاغت کی حقیقت

مثنوی پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ اس میں بعض مقامات پر قافیہ کی رعایت نہیں ہے کوئی کوئی شعر بے قافیہ ہوگیا ہے تو مولانا نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ میں تو قافیہ کی رعایت کرنا چاہتا ہوں مگر دلدار کا یہ اشارہ ہے کہ میرے دیدار کے سوا کسی چیز کی طرف توجہ مت کرو اس لیے جہاں بے تکلف قافیہ بن جاتا ہے بنادیا جاتا ہے اور جہاں سوچنا پڑتا ہے وہاں سوچتا نہیں ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ شعر میں قافیہ کی ضرورت نہیں۔ شاعری میں قافیہ ہونا چاہئے مگر یہ بھی نہیں کہ اس کا ایسا پابند ہو کہ مضمون کو قافیہ کے تابع کیا جائے جیسا کہ اکثر شعراء کی عادت ہے کہ وہ بعض اشعار محض قافیہ کی رعایت سے تصنیف کرتے ہیں بلکہ بلاغت اس کا نام ہے کہ قافیہ کو مضمون کے تابع کیا جائے اور جہاں مضمون کے موافق قافیہ نہ ملے وہاں مضمون کی رعایت کرنا چاہئے نہ کہ قافیہ کی کیونکہ یہ بھی تکلف میں داخل ہے مگر ایسا بھی بے تکلف نہ ہو۔

(۱) بیان میں ربط قائم رکھنے کا (۱) ''میں قافیہ سوچتا ہوں اور میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ میرے دیدار کے سوا کچھ مت سوچ''

مثنوی رومی کی بلاغت

جیسا ہمارے ایک دوست نے جو خورجہ کے رہنے والے ہیں ظرافت میں ایسا کیا وہ ایک عربی خواں بد دماغ نیچری سے ملے جن کو انہوں نے ایک دیوان کسی استاد کا پیش کیا تھا اس نے غایت بد دماغی سے یہ بھی نہ دیکھا کہ کس کا دیوان ہے۔ پوچھتے ہیں یہ کس کا دیوان ہے انہوں نے کہا میر اوہ بولے آپ شاعر بھی ہیں انہوں نے کہا جی ہاں، بولے آپ کوئی شعر فی البدیہ کہہ سکتے ہیں انہوں نے کہا ہاں بولے کہ اچھا کوئی شعر کہئے انہوں نے یہ شعر پڑھا

گر مصور تیری تصویر اینچے اس کے اس کام کو دو مہینے چاہئیں

انہوں نے کہا یہ شعر کیسا جس میں نہ وزن نہ قافیہ تو کہنے لگے حضور میں نے آپ کی ایک تحریر میں پرانے فیشن کی مذمت دیکھی تھی جب سے سب پرانی چیزیں چھوڑ دیں اور یہ بھی پرانا فیشن ہے کہ وزن بھی ہو بحر بھی ہو قافیہ بھی ہو اس لیے میں نے اس کو بھی حذف کر دیا۔ ہمارے قصبہ میں ایک شاعر تھے وہ ناپ کر شعر کہا کرتے تھے۔ یعنی شعر کہہ کر ہر مصرعہ کو تاگے یا تنکے سے ناپ لیا۔ اگر دونوں برابر ہو گئے تو بس شعر بن گیا اور اگر کوئی مصرعہ بڑھنے لگا تو اس کو باریک قلم سے لکھ کر برابر کر دیا۔ جب ان کا دیوان چھپنے لگا تو لوگوں نے کہا اس میں ردیف ضاد تو ہے ہی نہیں آپ نے پوچھا کہ کسی ردیف میں کئی غزلیں بھی ہیں لوگوں نے بتلایا کہ ہاں فلاں ردیف میں کئی غزلیں ہیں تو آپ نے کہا کہ ان میں سے ایک غزل کے ہر شعر کے اخیر میں مقراض بڑھا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ضاد کی ردیف تیار ہو گئی جس میں ہر شعر کے ختم پر مقراض ہے واہیات چاہے ٹھیک ہو یا نہ ہو مگر مقراض موجود ہے (واقعی وہ سارا دیوان ہی مقراض (۱) سے کترنے کے قابل ہے ۱۲) تو میں ایسی بے تکلفی کو نہیں کہتا۔ اس پر مجھے غالب کی

(۱) قینچی۔

حکایت یاد آئی کہ اس نے اپنے ایک دوست کی دعوت کرنا چاہی تو اس نے انکار کیا اور کہا تم تکلف بہت کرتے ہو، غالب نے کہا اس مرتبہ تکلف نہ کروں گا، اس نے اس وعدہ پر دعوت قبول کی اب آپ نے بے تکلفی کا یہ ڈھنگ اختیار کیا کہ بھنگی سے کہہ دیا کہ محلہ بھر کا کوڑا ہمارے گھر میں جمع کر دینا وہ کمبخت ایک ٹیلہ سا ہو گیا اس پر آپ ایک لنگوٹہ باندھ کر اور حقہ سامنے رکھ کر بیٹھ گئے جب وہ دوست کھانے کو آئے تو غالب کو اس حلیہ سے دیکھ کر حیرت میں رہ گئے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے، کہا کچھ نہیں آج میں نے تکلف نہیں کیا۔

تو مولانا کے کلام میں بے تکلفی ضرور ہے مگر خدانہ کرے وہ ایسی نہیں ہے مولانا کا کلام شاعری کے اعتبار سے بھی بہت بلند پایہ ہے ہاں کہیں کہیں تسامحات بھی ہیں اور اتنے طویل کلام میں اگر دو چار جگہ تسامحات ہو جائیں تو یہ کوئی نقص نہیں آخر چھ دفتر کچھ تھوڑے نہیں ہیں ۱۲) پھر ان کی وجہ بھی مولانا نے بیان فرمادی ہے کہ

قافیہ اندیشم و دلدار من　　گویدم مندیش جز دیدار من (۱)

بے ربطی میں ربط

اسی طرح گو بیان میں بھی ربط کا ہونا ضروری ہے مگر درمیان میں جب کوئی دوسرا ضروری مضمون ذہن میں آجاتا ہے تو میں اس کو چھوڑتا نہیں ربط کی ایسی پابندی بھی نہ چاہئے کہ ضرورت کا بھی لحاظ نہ کیا جائے اس لیے درمیان میں تکلف اور بے تکلفی پر یہ مضمون ایک ضرورت سے بیان ہو گیا گو ظاہر میں یہ اجنبی کلام تھا مگر بحمد اللہ یہاں تو بے ربطی میں بھی ربط باقی ہے کہ درمیان میں ایک ضرورت سے دوسری بات آ گئی تھی اس کو ختم کر کے پھر اپنے اصل مقام کی طرف عود (۲) کر آیا ہوں تو میں اس کو بیان کر رہا تھا کہ اس مقام پر حق تعالیٰ نے ہماری دو محبوب چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے بعض مفاسد پر ہم کو مطلع فرمایا ہے جن میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مضمون اس وجہ سے بھی

(۱) ”میں قافیہ کو سوچتا ہوں اور میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ میرے دیدار کے علاوہ اور کچھ مت سوچ“
(۱) لوٹ۔

قابل ذکر ہے کہ ہماری بدحالیوں کا زیادہ سبب انہی دو چیزوں کی محبت ہے چنانچہ محبت مال کی بدولت باہم بغض وعداوت ہوجاتی ہے مسلمانوں میں جو آئے دن مقدمہ بازی ہوتی ہے اس کا منشا یہی محبت مال ہے نیز محبت مال ہی کی وجہ سے دوسروں کا حق دبایا جاتا ہے۔

بہنوں کا حصہ

صاحبو! آپ اپنے امراض کو اچھی طرح جانتے ہیں میں کوئی دقیق بات نہیں بیان کررہا ہوں یہ تو کھلی ہوئی باتیں ہیں جن کو ہر شخص اپنے اندر غور کرکے جان سکتا ہے۔ صاحبو! کیا آپ اس کا انکار کرسکتے ہیں کہ ہم لوگ اکثر بیٹیوں کو حصہ نہیں دیتے زیادہ تو یہ ہے کہ خود باپ ہی ایسا کرتے ہیں کہ وہ اپنے سامنے ہی سب جائیداد لڑکوں کو دے جاتے ہیں اور اگر باپ نے ایسا نہ کیا تو بعد کو بھائی ایسا کرتے ہیں کہ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے۔ دنیادار تو ان کا حق ہی نہیں سمجھتے مگر وہ اس میں یہ تاویل کرلیتے ہیں کہ بہنوں نے ہم کو معاف کردیا۔ میں کہتا ہوں اول معافی کی حقیقت تو سمجھ لیجئے پھر میں پوچھوں گا کہ کیا بہنیں اسی طرح معاف کرتی ہیں۔

معافی کی حقیقت

معافی کی حقیقت یہ ہے کہ جو اس آیت میں مذکور ہے فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا(۱) حق تعالیٰ مردوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں اپنے مہر میں سے کچھ حصہ دل کی خوشی سے تم کو دے دیں تو اسے کھاؤ خوش گواری اور لذت کے ساتھ اس سے معلوم ہوا کہ معافی یا عطا کے لیے خوش دلی ضروری ہے مگر یہاں اس کی ذرا پروا نہیں کی جاتی کہ بہن نے خوشی سے دیا ہے یا اوپر دل سے۔ بس جہاں اس کی زبان سے اتنا نکلا کہ میں نہیں لیتی اور بھائی جان نے اس کو معافی سمجھ لیا۔ پھر الٹ کر اس سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ تو یہ بات دل سے کہہ رہی ہے یا محض زبان سے۔

(۱) سورۃ النساء: ۴

اور یہیں سے میں اس پر بھی متنبّہ کرتا ہوں کہ آج کل جو چندہ لیا جاتا ہے اس میں بھی اکثر خوش دلی کا اہتمام نہیں کیا جاتا گو اس میں دینے والوں پر بھی ملامت ہے کہ وہ دین کے کاموں میں خوشی سے کیوں نہیں خرچ کرتے لیکن اگر وہ یہ کوتاہی کرتے ہیں تو اس سے لینے والوں کو وہ چندہ حلال نہ ہوجائے گا۔ حدیث میں صاف حکم موجود ہے: الا لا یحل مال امرإ مسلم الا بطیب نفس منه (۱) اگر کسی نے محض شرم ولحاظ سے چندہ دیا ہو تو اس کا لینا ہرگز جائز نہیں اگر یہ کہا جائے کہ صاحب اتنی احتیاط کی جائے تو چندہ بہت کم آئے گا جس سے کام نہیں چل سکتا تو اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ کام نہیں چل سکتا آپ تجربہ کرکے دیکھ لیجئے کہ ضروری کام میں تو اتنا ہی روپیہ صرف ہوتا ہے جو حدود شریعت کے موافق آتا ہو اور جو ایسا ویسا چندہ ہوتا ہے وہ کام میں صرف نہیں ہوتا بلکہ بے تکا خرچ ہوتا ہے کہیں بے ضرورت عمارات میں کہیں مہمانوں کی فضول خاطر مدارات میں وغیرہ وغیرہ اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ قلیل چندہ سے کام نہیں چل سکتا تو میں پوچھتا ہوں کہ کام چلانے سے غرض کیا ہے ظاہر ہے کہ یہی غرض ہے کہ حق تعالیٰ راضی ہوں تو اگر وہ راضی نہ ہوئے تو بتلایئے کام چلاکر کیا کیجئے گا بس سہل صورت یہ ہے کہ حدود شریعت کے موافق چندہ لو اور جتنا کام اس میں چل سکے اتنا چلاؤ زیادہ کا قصد ہی نہ کرو اگر کسی وقت زیادہ چندہ آجاوے اس وقت اور کام بڑھادو اور اگر پھر کم ہوجائے تو تم کام کو بھی کم کردو کیونکہ آپ اتنے ہی کام کے مکلّف ہیں جتنا کرسکتے ہیں اس سے زیادہ مکلّف نہیں تو جتنا کام حلال چندہ میں آپ کرسکیں اس سے زیادہ ہرگز نہ کریں تاکہ حرام چندہ کی ضرورت ہی نہ ہو مگر اب تو یہ حالت ہے کہ ابتداء ہی سے بڑے پیمانہ پر کام شروع کیا جاتا ہے اور اس کے لیے حلال چندہ کافی نہیں ہوتا تو پھر حدود سے آگے بڑھتے ہیں اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ کہ کون خوشی سے دے رہا ہے اور کون دباؤ یا لحاظ سے۔

(۱) ''یاد رکھو کسی مسلمان آدمی کا مال بدوں اس کی خوش دلی کے حلال نہیں ہوتا'' السنن الکبری للبیہقی: ۶/ ۱۰۰، ۸/ ۱۸۲، مجمع الزوائد للہیثمی: ۴/ ۱۴۲، کنز العمال: ۳۹۷

بہنوں کا حق

یہی معاملہ بہنوں کے حق میں ہورہا ہے کہ اہل علم نے تاویل کرلی ہے کہ اس نے تو اپنا حق معاف کردیا میں پوچھتا ہوں کہ ذرا انصاف سے کہنا کیا بہنوں نے خوشی سے اپنا حق چھوڑا ہے ہرگز نہیں بلکہ محض بدنامی کے خوف سے کیونکہ بہنوں کے لیے یہ بات عیب شمار کی جاتی ہے کہ وہ باپ کی جائیداد سے حصہ لیں۔ نیز وہ اس خیال سے بھی نہیں لیتیں کہ اگر ہم حصہ لے لیں گے تو پھر شادی بیاہ کے موقع پر بھائی ہمیں پوچھیں گے نہیں اور چھوٹ چھٹاؤ ہوجائے گا تو یہ دینا کچھ خوشی کا دینا نہ ہوا۔ دوسرے دینا اس شخص کا معتبر ہوتا ہے جسے شئے موہوب کی حقیقت بھی معلوم ہو یعنی جس چیز کو دے رہا ہے وہ اس کی حقیقت بھی سمجھتا ہو اور جسے اپنے فعل کی حقیقت بھی معلوم نہ ہو اس کا دینا معتبر نہیں یہی وجہ ہے کہ نابالغ اور معتوہ(۱) پر حجر کیا جاتا ہے یعنی اس کو تصرفات سے روک دیا جاتا ہے اور اس کی جائیداد کورٹ ہوجاتی ہے کہ اس میں وہ کچھ بیع وشرا نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اپنے تصرفات کی حقیقت سے بے خبر اور نفع وضرر سے(۲) ناواقف ہے۔ اب دیکھئے کہ بہنیں جو اپنا حق چھوڑ دیتی ہیں کیا ان کو اپنے اس فعل کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، ہرگز نہیں لڑکیوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ جائیداد کیا چیز ہوتی ہے اور وہ کیسی قیمتی چیز کو چھوڑ رہی ہیں اس لیے بدوں تجربہ کے ان کی معافی معتبر نہ ہوگی بلکہ اس بارہ میں وہ مثل معتوہ کے شمار ہوں گی سچی معافی کی صورت یہ ہے کہ وہ تین چار برس تک اپنی جائیداد پر قابض رہیں، ہر فصل کی پوری آمدنی وصول کرتی رہیں جب اس عرصہ میں ان کو جائیداد کی حقیقت اور اس کا نفع اور لذت خوب معلوم ہوجائے اس کے بعد بھی اگر وہ نہ لیں تو بے شک یہ دینا کچھ شمار کے قابل ہوگا، بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب ہم نے بیاہ شادی اور بلانے رکھنے میں بہنوں کو اتنا دے دیا ہے جس سے ان کا حق ان کے پاس پہنچ گیا سو یہ دینا بالکل قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس کو جائیداد کی قیمت کہہ کر نہیں دیا جاتا اور نہ

(۱) بے عقل کو روکا جاتا ہے (۲) نقصان۔

بہنیں اس کو قیمت سمجھ کر لیتی ہیں بلکہ یہ تو محبت کا برتاؤ سمجھ کر دیا جاتا ہے عقد بیع کے لیے ایجاب وقبول اور بدل کی تعیین اور اس پر تراضی طرفین (۱) ضروری ہے، یہاں ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی۔

بہن کا اپنا حق معاف کرنے کا طریقہ

پھر تمہاری ان سب باتوں کے مان لینے کے بعد بھی یہ بات ہے کہ بہن جو بھی کہہ دیتی ہے میں نے اپنا حق معاف کر دیا اس سے تو کسی طرح بھی بھائی کے لیے بہن کا حق حلال نہیں ہوسکتا چاہے وہ خوشی ہی سے معاف کرتی ہو کیونکہ معافی کی حقیقت ابراء ہے (۲) اور ابراء دیون (۳) سے ہوتا ہے نہ کہ اعیان سے اور اگر اس کو ہبہ کہا جائے تو اول تو اس لفظ کے یہ معنی نہیں اور اگر ہوں بھی تو ہبہ کے لیے موہوب کا مقسوم ومفرز (۴) ہونا شرط ہے مشاع (۵) کا ہبہ درست نہیں اور عموماً بہوں کی یہ معافی تقسیم وقبضہ سے پہلے ہوتی ہے۔ اس لیے کسی حال میں اس لفظ سے بہن کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ اگر کسی بہن کو اپنا حق خوشی سے دینا ہی منظور ہو تو اس کی بے خلجان صورت یہ ہے کہ معافی کا لفظ نہ کہے بلکہ بھائی سے یوں کہے کہ میں نے اپنا حصہ تمہارے ہاتھ اتنے روپیہ میں بیع کیا اور وہ کہے میں نے قبول کیا اب زمین بہن کی ملک سے نکل گئی اور بھائی کے ذمہ زرثمن واجب ہوگیا۔ اس زرثمن کو یہ بہن اگر چاہے معاف کردے۔ اب بتلایئے اس طرح کون کرتا ہے اور افسوس یہ ہے کہ طریقہ معلوم ہونے کے بعد بھی کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ بہن کی گزشتہ معافی معتبر نہ تھی لاؤ اب اس سے دو بول پھر کہہ لیں ذرا سی سستی اور غفلت میں عمر بھر حرام کھاتے ہیں بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ زبان ہلانے میں کیا خرچ ہوتا ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہوتا ہے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کہ وہ معاملات میں قانونی رعایات تو بہت جلدی کر لیتے ہیں مگر شرعی رعایات نہیں کرتے اس کی پرواہ نہیں

(۱) لینے اور دینے والے دونوں کا راضی ہونا (۲) بری الذمہ ہو (۳) قرض (۴) قابل تقسیم اور معین ہونا (۵) مال مشترک غیر معین۔

کہ اس معاملہ میں شرعاً سقم ہے(۱) لاؤ اس کی اصلاح کرلیں اگر کوئی یہ عذر کرے کہ بہن سے زبانی کہتے ہوئے شرم آتی ہے تو خط میں لکھ بھیجو اور اگر اتنا بھی نہیں ہوسکتا تو آپ کی وہی مثال ہوگی جو واجد علی شاہ کے احدیوں کی تھی کہ دو احدی ایک جگہ جمع تھے ایک لیٹا ہوا ایک بیٹھا ہوا سامنے سے ایک سوار گزرا تو لیٹے ہوئے ہوئے احدی نے اس کو پکارا بھائی سوار بھائی سوار زرا یہاں آنا وہ آیا پوچھا کیا کہتا ہے کہا یہ بیر جو میرے سینہ پر رکھا ہے اٹھا کر میرے منہ میں ڈال دے، اس نے کہا کمبخت تو نے اتنے ذرا سے کام کے واسطے میرا راستہ کھوٹا کیا اتنا کام تو خود نہیں کرسکتا، کہنے لگا اللہ کے واسطے تو ہی منہ میں ڈال دے، اب میں کہاں ہاتھ ہلاؤں پھر سینہ پر لاؤں پھر منہ تک لے جاؤں، سوار نے اس کے دوسرے ساتھی سے کہا ابے تو اس کے پاس بیٹھا ہے تو نے ہی ڈال دیا ہوتا، اس نے کہا بس جناب ایسی بات نہ کہئے گا میں کھلاؤں گا اسے بیر۔ سنو کل میں لیٹا تھا اور یہ بیٹھا تھا میں نے جمائی لی تو اس وقت کتا میرے منہ کے اندر موتنے لگا تو اس سے اتنا نہ ہوا کہ اس کو ہٹا دیتا تو میں اسے بیر ضرور کھلاؤں گا۔

طلباء کا احدی پن

مجھے اس پر اپنے طبقہ کی بھی ایک حکایت یاد آئی کہ ہماری جماعت میں بھی ایک طبقہ اس قسم کا ہوتا ہے یعنی طالب علموں کا طبقہ چنانچہ ہمارے مدرسہ میں ایک طالب علم کے حجرے میں چوہوں نے بہت سی مٹی نکال کر ایک ڈھیر جمع کردیا اور وہ حضرت روز اس کو دیکھتے تھے مگر اتنی توفیق نہ ہوئی کہ باہر اٹھا کر پھینک دیتے یا سوراخ بند کرکے وہیں دبا دیتے، بس جیسی چوہے نے نکالی تھی اسی طرح ڈھیر لگا رہا۔ ایک دن ہمارے بھائی صاحب کے کارندے جو حاجی بھی ہیں ان کے حجرہ میں آگئے تو ان کو ڈھیر لگا ہوا برا معلوم ہوا انہوں نے مٹی سوراخ میں بھر کر درست کردیا اور حجرہ کی صفائی کردی اس کے بعد پھر چوہے نے مٹی نکال دی کسی نے کہا میاں اس کو درست کردیا ہوتا تو آپ

(۱) خرابی ہے۔

فرماتے ہیں کہ حاجی جی آ کر کریں گے۔ بس حاجی جی نے ایک دن صفائی کر کے ایسی خطا کر دی تھی کہ عمر بھر کے لیے وہی اس کام کے ملازم ہو گئے۔ خیر طلبہ کی اس کاہلی سے کوئی دینی ضرر تو ہوتا نہیں مگر نظافت کے خلاف ضرور ہے اور اس میں ان کو کچھ عذر بھی ہے کہ وہ پڑھنے میں ایسے مشغول ہوتے ہیں کہ دوسرے کاموں پر توجہ نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے اکثر مولویوں کا خط بھی صاف نہیں ہوتا کیونکہ وہ مقصود میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ زوائد پر توجہ نہیں ہوتی۔

ملاجیون کے طالب علموں کا قصہ

ملاجیون کے طالب علموں کا قصہ مشہور ہے کہ ایک دن ان کی بیوی نے کہا کہ طالب علم بڑے کاہل ہوتے ہیں۔ ملا جی نے کہا نہیں تم غلط کہتی ہو اس کا ثبوت دو تو اس نے شوربے کے پیالہ میں ایک تنکا ڈال دیا اور کہا کہ دو طالب علموں کو اس میں شریک کر دینا۔ چنانچہ دو طالب علموں نے کھانا شروع کیا اور جس کے سامنے وہ تنکا جاتا تھا وہ اپنے سامنے سے دوسرے کی طرف کھسکا دیتا تھا بالآخر کھانے سے فراغت ہو گئی اور تنکا پیالہ میں ہی رہا، تب ملا جی کی بیوی نے ان کو دکھایا کہ دیکھو تمہارے طالب علم ایسے کاہل ہیں کہ ایک تنکے کو نکال کر نہ پھینکا گیا، سالن کھالیا اور تنکا پیالہ ہی میں رہا۔ ممکن ہے کہ یہ قصہ گھڑا ہوا ہو مگر ایسی نظیریں اب بھی موجود ہیں گو طالب علم کسی درجہ میں معذور بھی ہوں مگر مجھے یہ طریقہ پسند نہیں۔ انسان کو اتنا اپاہج بھی نہ ہونا چاہئے بلکہ ایسا ہونا چاہئے۔

چو باز باش کہ صیدے کنی ولقمہ دہی　　طفیل خوارہ مشو چوں کلاغ بے پروبال (۱)

پھلوں کی بیع کا جائز طریقہ

خیر یہ تو احدیوں کی حکایت پر ایک تفریح تھی آپ نے طالب علموں کے اپاہج

(۱) ”باز کی مانند ہو کر شکار کر کے خود بھی کھاؤ اور دوسرے کو بھی کھلاؤ، جنگلی کوے کی طرح بے پروبال کے طفیلی خورہ مت ہو“۔

پنا تو سن لیا اب دنیاداروں کا سنئے مگر دونوں میں اتنا فرق ہے کہ طالب علم دنیا کے کاموں میں اپاہج ہیں دین میں سست نہیں ہوتے اور دنیا کے کاموں میں اپاہج ہونا گناہ یا عذاب کا سبب نہیں اور دنیادار دین کے کاموں میں اپاہج ہیں جس سے گناہ اور عذاب کو اپنے سر مول لیتے ہیں چنانچہ ان سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ بہنوں سے شریعت کے موافق زبانی بیع وشراء کے الفاظ کہہ لیں یا خط ہی میں لکھ بھیجیں اور آج کل کے مناسب، میں ایک نظیر بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اب آم کی فصل آوے گی اور اکثر مسلمان پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کردیتے ہیں شرعاً یہ بیع حرام ہے اور پھل کا کھانا دوسروں کو بھی حرام ہے۔ باغ والوں کی ذراسی کاہلی سے ساری دنیا حرام کھاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے قلوب میں نور نہیں پیدا ہوتا اور جو کچھ نماز وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے وہ اس حرام غذا کی ظلمت سے زائل ہوجاتا ہے میں نے اس کی اصلاح کا ایک آسان طریقہ بتلایا تھا۔ اصل طریقہ تو وہی ہے کہ ایسے وقت میں پھل فروخت ہی نہ کیا جائے بلکہ جب اچھی طرح پھل نمودار ہوجائے تو اس وقت بیع کی جائے اس میں باغ والے یہ عذر نکالتے ہیں کہ صاحب اس وقت تک کون حفاظت کرے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر کسی وجہ سے گورنمنٹ کا یہ قانون ہوجائے کہ پھول خوب نمودار ہونے سے پہلے کوئی بیع نہ کرے تو اس وقت کوئی عذر نہ کرے گا بلکہ سب کو حفاظت کے طریقے خود بخود سوجھ جائیں گے اور اس وقت اگر کوئی کہے بھی کہ تم میرے ہاتھ پھل آنے سے پہلے باغ کی بیع کردو تو مالک کہے گا کیا تم مجھے مجرم بنانا چاہتے ہو یہاں کے مجرم بننے کا تو اتنا ڈر ہے لیکن آخرت کے مجرم بننے کو سب کے سب تیار ہوئے بیٹھے ہیں۔ خیر یہ طریقہ تو لوگ کیا ہی اختیار کرتے مگر ایک آسان ترکیب بتلائی گئی تھی جس سے دنیا حرام کھانے سے محفوظ ہوجاتی مگر افسوس وہ بھی نہ ہوسکی۔ میں نے کہا تھا کہ جو لوگ پھل آنے سے پہلے بیع کرچکے ہیں وہ پھل آنے کے بعد دوبارہ بیع کرلیا کریں۔ بائع خریدار سے یہ کہے کہ بھائی ہم نے جو پہلے بیع کی تھی وہ شرعاً درست نہ تھی اب ہم اس قیمت پر اس پھل کی بیع تمہارے ہاتھ دوبارہ کرتے ہیں۔ خریدار کہہ

دے میں قبول کرتا ہوں اب اس پھل کا کھانا سب کو حلال ہوجائے گا۔ بتلایئے اس میں کیا مشکل تھی صرف زبان ہلتی تھی مگر بات یہ ہے کہ اس کی کوئی قانونی ضرورت نہ تھی قانون سے ایسی بیع جرم نہ تھی صرف خدا نے منع کیا تھا اس لیے پرواہ نہیں اور اس کے لیے ذرا سی آسان بات بھی گوارا نہیں بعبارت دیگر یوں کہئے کہ نعوذ باللہ ہم کو خدا ہی کی ضرورت نہیں۔ تو اے صاحبو! خدا تو بڑی چیز ہے ہم کو تو بیوی بچوں کی بھی ضرورت ہے۔ بیوی بچوں کے بدوں تو صبر نہیں آتا خدا کو چھوڑ کر کیسے صبر آ گیا۔

ایکہ صبرت نیست از فرزند وزن صبر چوں داری زرب ذوالمنن
ایکہ صبرت نیست از دنیائے دوں صبر چوں داری زنعم الماہدون(۱)

دورِ آزادی

اے صاحبو! ہمارا کیسا مذاق بگڑا ہے کہ جو چیز قانوناً ضروری نہیں بس اس کی فکر ہی نہیں تو میں کہتا ہوں گو میرے منہ سے یہ کہنا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ (۲) اور امر مقصود نہ تھا بلکہ جانتے تھے کہ القاء (۳) تو ہو ہی گا اسی طرح میں بھی کہتا ہوں عدم مبالاۃ سے نہیں کہتا کہ اگر آپ کو پھل آنے سے پہلے ہی بیع کرنا ہے تو خیر ایسا کرلیا کرو مگر بعد میں پھل آنے پر عقد دوبارہ کرلیا کرو، اور زبان ہلا کر ایجاب وقبول کا اعادہ کرلیا کرو مگر مجھے اس کی بھی اُمید نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی وقعت ہی دل میں بسی ہوئی نہیں اور دل میں بسی ہوئی نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ ایمان نہیں ہے ایمان تو ہے مگر دل پر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ پردے اٹھ جائیں تو ہر حکم کی وقعت ہونے لگے۔ اس لیے سب سے پہلے ان پردوں کو اٹھانا چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا دستور العمل یہ رکھئے کہ اول تو بقدر ضرورت احکام کا علم حاصل کیجئے جس کی آسان صورت یہ ہے کہ جو دینی رسائل

(۱) ''اے شخص تجھ کو بیوی سے صبر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے کیونکر تجھ کو صبر آ گیا اور تجھ کو ذلیل دنیا سے صبر نہیں ہے تو خدا تعالیٰ سے کیونکر صبر رکھتا ہے'' (۲) ''ڈالو جو کچھ ڈالنا چاہتے ہو'' سورۂ یونس: ۸۰ (۳) ڈالنا۔

محققین کی تصنیف سے ہیں ان کو مطالعہ میں رکھئے مگر ہر زید وعمر کی تصنیف کا مطالعہ نہ کیجئے کیونکہ آج کل آزادی کا زمانہ ہے ہر شخص کا جو جی چاہتا ہے لکھ مارتا ہے آج کل ایسے ایسے مصنف بھی ہیں کہ میں نے ایک رسالہ میں یہ مضمون لکھا ہوا دیکھا کہ ربا حرام نہیں ہے۔ مسلمانوں کو سود کے ذریعہ سے ترقی حاصل کرنا چاہیئے اور قرآن میں جو آیا ہے وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا (ربوا حرام ہے) تو وہ ربا (بضم راء) ربودن سے مطلب یہ ہے کہ خدا نے غصب کو حرام کیا ہے اور راء کو جو کسرہ پڑھا جاتا ہے یہ اعراب بعد میں مولویوں نے لگائے ہیں جو حجت نہیں ہیں۔ اس احمق نے یہ بھی نہ دیکھا کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور ربودن فارسی مصدر ہے اس سے کوئی لفظ مشتق ہوکر قرآن میں کیونکر آسکتا ہے پھر یہ لفظ رُبا مفرداً تو فارسی میں بھی مہمل ہے کسی نے اس کو استعمال نہیں کیا۔ تو صاحبو آج کل یہ بھی تحقیقات ہیں بس میں تو ایسے مجددوں کی نسبت یہ شعر پڑھا کرتا ہوں۔

گربہ میروسگ وزیر موش رادیواں کنند
ایں چنیں ارکان دولت ملک راویراں کنند(۱)

اگر یہی تحقیقات ہیں اور ایسے ہی محقق ہیں اور یوں ہی اسلام کے پرتوڑے جائیں گے تو پھر اسلام کی خیر نہیں بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہر کتاب کے دیکھنے میں کیا حرج ہے اگر ہم اپنے مسلک پر جمے رہیں تو کسی کی کتاب کے دیکھنے کا کیا مضائقہ ہے۔ سو بات یہ ہے کہ میں ہر شخص کی تصنیف کے مطالعہ سے نہ روکتا اگر اس کا برا اثر نہ دیکھتا مگر جب میں لوگوں کو متاثر ہوتا ہوا دیکھتا ہوں تو منع کرتا ہوں۔ بس آپ کی خیر اسی میں ہے کہ صرف محققین کے رسالے دیکھئے اور نئے نئے خودرو مصنفوں کے رسالے ہرگز نہ دیکھئے اور میں عنقریب محققین کو بھی بتلا دوں گا کہ وہ کون لوگ ہیں غرض جو پڑھے لکھے ہیں وہ تو یہ رسائل دیکھیں اور پورا نصاب دیکھیں ایک دو رسالہ کا مطالعہ کافی نہیں اور وہ نصاب بھی کوئی محقق ہی بتلادے گا اور اثناء مطالعہ میں جہاں شبہ رہے اس پر وہاں نشان

(۱) ''بلی امیر کتا وزیر چوہے کو دیوان جی بنادیں یہ اراکین سلطنت ملک برباد ہی کریں گے''۔

بناتے رہیں اور بعد میں ان مشتبہ مقامات کو کسی محقق سے زبانی حل کرلیں اور جو ان پڑھ ہیں وہ ان رسالوں کو سن لیا کریں اگر تم کو طلب ہوگی تو ان شاء اللہ کوئی سنانے والا بھی مل جائے گا۔ ایک تو اس کا التزام کرلیں دوسری بات یہ کرو کہ جو کام کرنا ہو خواہ نوکری یا ملازمت یا تجارت یا شادی یا غمی سب کے متعلق پہلے کسی محقق سے حکم شرعی دریافت کرلو اگرچہ عمل کی بھی توفیق نہ ہو دریافت کرلینے میں کم از کم یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے جائز و ناجائز ہونے کا تو علم ہوجائے گا ممکن ہے کہ یہ علم کسی وقت اس سے بچنے کی ہمت پیدا کردے اور جو مبتلا ہی رہے تو حرام کو حلال سمجھ کر تو نہ کروگے اب آج کل یہ حالت ہے کہ لوگ ضروری باتیں تو دریافت کرتے نہیں وہ مسائل پوچھتے ہیں جن سے کبھی واسطہ نہ پڑے یا وہ مسائل پوچھتے ہیں جو پہلے سے معلوم ہیں تاکہ مولوی صاحب کا امتحان ہوسکے چنانچہ رامپور میں ایک صاحب نے مجھ سے اختلافی مسائل پوچھے جنہیں میرا مسلک ان کو معلوم بھی تھا میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے میرا امتحان مقصود ہے میں نے کہا کہ آپ امتحان کے لیے پوچھتے ہیں یا عمل کے لیے اگر عمل کے لیے پوچھتے ہیں تو اس کے لیے مسؤل سے اعتقاد کا ہونا شرط ہے اور آپ مجھے جانتے بھی نہیں تو میرے معتقد کیسے ہوگئے اور محض نام سننا کافی نہیں نام تو نہ معلوم کتنوں کا سنا ہوگا اور جو امتحان کے لیے پوچھتے ہیں تو آپ کو میرے امتحان کا کیا حق ہے بس وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

سوال کا جواب مرض کے مطابق

میں ایسا روگ نہیں پالتا کہ ہر شخص کے سوال کا اس کی مرضی کے موافق جواب دیا کروں جہاں میں دیکھتا ہوں کہ سوال سے مقصود عمل نہیں وہاں کبھی جواب نہیں دیتا غرض آج کل لوگ اس قسم کے مسائل دریافت کرتے ہیں حالانکہ اس طرح کام نہیں چل سکتا ہر کام قاعدے سے ہوا کرتا ہے پس سب سے پہلے کسی کی حالت کو جانچ لو خوب امتحان کرلو جب اس کے علم و عمل پر کافی اطمینان ہوجائے اب اس سے پوچھ پوچھ کر عمل کرو اور فضول باتیں نہ پوچھو یہ یاد رکھو کہ بدوں اچھی طرح جانچے ہوئے کسی کو اپنا بڑا نہ

بناؤ کیونکہ دین بڑی قدر کے قابل چیز ہے۔ اس لیے ہر کس وناکس کو رہنما نہ بناؤ لیکن جب کسی کا محقق ہونا ثابت ہوجائے تو پھر اس سے حجت نہ کرو جو بتلائے تو اس پر عمل کرو اور ایک اس کا التزام کرو کہ جب کبھی فرصت ومہلت ہوا کرے تو ایسے بزرگوں سے ملتے رہا کرو اور ان سے ڈرو نہیں کہ ہمارے افعال پر لتاڑیں گے۔ ہرگز نہیں وہ تمہارے سامنے منہ توڑ کر کوئی بات نہیں کہیں گے (مگر ہاتھ جوڑ کر بھی نہ کہیں گے ۱۲) ایسے بزرگوں کی برکت صحبت سے تمہاری حالت ان شاء اللہ تعالیٰ خود بخود درست ہوتی چلی جائے گی۔

دل سے پردے اٹھانے والا دستور العمل

یہ ہے وہ دستور العمل جو دل سے پردے اٹھاتا ہے جس کے چند اجزاء ہیں۔ ایک تو کتابیں دیکھنا یا سننا۔ دوسرے مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمدورفت نہ ہوسکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات وملفوظات ہی کا مطالعہ کرو یا سن لیا کرو اور اگر کچھ تھوڑی دیر ذکراللہ بھی کرلیا کرو یہ تو اصلاح قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لیے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اس طرح باتیں کرو کہ اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے موت بھی آنے والی ہے اس وقت یہ سب مال ودولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے اور خدا تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے اس لیے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لیے کچھ سامان کر یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر مرنے کے بعد تو اس کی تمنا کرے گا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کرلوں جس سے مغفرت ہوجائے مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی پس زندگی غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کرلے۔

محاسبہ نفس

اگر ذکر بھی نہ ہوسکے تو دستورالعمل سابق کے ساتھ یہ محاسبہ تو روزانہ ضرور کرلیا کرو۔ نہ میں آپ سے نوکری چھڑاتا ہوں نہ بیوی بچوں کو چھڑاتا ہوں آپ دنیا کے سارے دھندے کیجئے اور مبتلا گناہ درگناہ رہیئے مگر یہ کام بھی ساتھ کئے جایئے انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن وہ ہوگا کہ یہ عمل آپ کی دنیا اور دین دونوں کو سنوار دیگا۔ دنیا کو تو اس طرح کہ دنیا سے جو مقصود ہے یعنی راحت قلب بخدائے لا یزال وہ بڑھ جائے گی اس وقت تو آپ کی یہ حالت ہے کہ آپ روٹی کو نہیں کھاتے بلکہ روٹی آپ کو کھاتی ہے۔ دنیا کی حالت یہ ہے کہ یہ کسی کے پاس سے جاتی ہے تب بھی پریشان کرتی ہے اور آتی ہے تب بھی پریشان کرتی ہے۔ اگر روپیہ پاس نہیں تب تو فکر ظاہر ہے کہ ہر وقت اسی کے ادھیڑ بن رہتی ہے آج کہاں سے کھاؤں گا کہاں سے پہنوں گا اور جو روپیہ پاس ہے تو اس کی حفاظت کی فکر ہے کہ اسے کہاں رکھوں کہاں دابوں کہیں چور نہ لے جائیں کسی کو خبر نہ ہوجائے۔ بعض دفعہ اس پریشانی میں بہت لوگوں کو نیند نہیں آتی۔ سچ کہا ہے۔

ومن یحمد الدنیا لعیش یسرہ فسوف لعمری عن قلیل یلومھا

اذا ادبرت کانت علی المرأ حسرۃ وان اقبلت کانت کثیر اُھمومھا(۱)

یعنی جب دنیا نہ ہو تو حسرت ہوتی ہے اور جب آتی ہے تو ہزاروں غموں کو ساتھ لاتی ہے۔ تو اس وقت دنیا آپ کے لیے باعث راحت نہیں بلکہ آلہ تعذیب ہے(۲) جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَٰلُهُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا (۳) واقعی دنیاداروں کے لیے دنیا کا جمع ہونا عذاب ہی ہے ان کو تو چین کی نیند بھی میسر نہیں ہوتی۔ صاحبو! خدا کی طرف متوجہ ہوکر دیکھو اس وقت یہ دنیا

(۱) ''جو شخص تھوڑے سے عیش کی وجہ سے دنیا کی تعریف کرتا ہے مجھے قسم ہے اپنی جان کی کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی ملامت کرے گا جب دنیا پیٹھ پھیرتی ہے تو آدمی کو حسرت ہوتی ہے اور جب آتی ہے تو بہت غموں کو لاتی ہے'' (۲) تکلیف کا باعث (۳) ''تم کو ان کے اموال واولاد تعجب میں نہ ڈالیں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی ہی میں کو عذاب دیں'' سورۃ التوبہ: ۵۵۔

آپ کے لیے راحت کا ذریعہ ہوگی۔ اب آپ کو قورمہ میں وہ مزہ نہیں آتا جو اس وقت خالی چٹنی میں آئے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر آپ کسی پر عاشق ہو جاویں اور وہ اپنے ہاتھ سے کوئی ایسی چیز کھانے کو دے جو آپ کو مرغوب نہیں تو ذرا سوچ کر بتلایئے کہ آپ کو اس میں لذت آئے گی یا نہیں یقیناً اس وقت وہ نامرغوب چیز آپ کو تمام مرغوبات سے زیادہ لذیذ معلوم ہوگی کیوں اس لیے کہ وہ محبوب کے ہاتھ سے ملی ہے۔ بس اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ اس وقت جو آپ قورمہ کھاتے ہیں اس میں اس لیے مزا نہیں آتا کہ آپ کو یہ خبر نہیں ہے کہ یہ خدا کا دیا ہوا ہے اور اگر اعتقاداً علم بھی ہے تو خدا کے ساتھ آپ کو پوری محبت نہیں ہے اس لیے پورا مزا نہیں آتا اور اس دستور العمل پر عمل کر کے آپ پر حقیقت منکشف (۱) ہو جائے گی اس وقت آپ ہر چیز کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں گے اور یوں کہیں گے مصرع:

ہرچہ از دوست میرسد نیکوست(۲)

اس وقت اس انتساب سے اس میں وہ لذت ہوگی جس کے سامنے تمام لذتیں گرد ہوں گی پھر آپ کو ہر حالت میں راحت ہوگی کبھی بے چینی نہ ہوگی۔ اور یہی بات تو ہے جس کو ایک بزرگ نے ایک بادشاہ کے جواب میں کہا تھا۔

پوشش تو اطلس و دیبا حریر بخیہ زدہ خرقہ پشمین ما(۳)

اسی طرح بہت چیزوں میں موازنہ کر کے اخیر میں کہتے ہیں

باش کہ تا طبل قیامت زنند آن تو نیک آید و یا این ما(۴)

یعنی اس وقت تو تو ہر چیز میں خوشحال ہے اور ہم خستہ حال (۵) ہیں مگر ٹھہرا رہ ابھی قیامت آنے والی ہے اس وقت تجھے معلوم ہوگا کہ بادشاہ کون ہے اور مفلس کون ہے صاحب خدا کے تعلق سے قلب میں ایسی راحت اور چین ہوتی ہے جس سے انسان

(۱) کھل جائے گی (۲) ''جو کچھ دوست کی جانب سے آئے وہ بہتر ہی ہے'' (۳) ''تیرا لباس ریشم واطلس کا ہے اور ہمارا خرقہ پشمین زنجیہ زدہ ہے'' (۴) ''ذرا صبر کرو قیامت میں معلوم ہو جائے گا کہ وہ تمہاری راحت اچھی تھی یا یہ ہماری محنت (۵) اس وقت تو تمہارا حال اچھا اور ہمارا برا ہے۔

فقر میں بھی بادشاہ ہوتا ہے۔

حکایت حضرت پیران پیرؒ

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو ملک سنجر نے لکھا تھا کہ میں ملک نیمروز کا ایک حصہ آپ کی خانقاہ کے لیے مقرر کرنا چاہتا ہوں تو آپ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد(۱)

اس زمانہ میں چتر شاہی سیاہ ہوا کرتا تھا اس لیے فرماتے ہیں

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب من ملک نیمروز بیک جونمی خرم(۲)

فرماتے ہیں کہ جب سے مجھ کو ملک نیم شب کی خبر ملی ہے یعنی جب سے آدھی رات کی مناجات وعبادات میں لذت حاصل ہوئی ہے اس وقت سے مجھے ملک نیم روز کی جو برابر بھی قدر نہیں ہے تو صاحبو! یہ حلاوت ہوتی ہے خدا کے تعلق میں اور یہ لذت ہوتی ہے اس انتساب(۳) میں جو دنیا بھر سے مستغنی کر دیتی ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ اس دستور العمل سے آپ کی دنیا بھی باحلاوت(۴) ہوجائے گی اور کھانے پینے میں بھی وہ لذت آئے گی جو اس وقت خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اس وقت آپ کو تنبہ ہوگا اور خدا کی ناراضی کسی طرح گوارا نہ ہوگی اور سب گناہ ایک ایک کر کے چھوٹ جائیں گے تو دین بھی درست ہوجائے گا اور اس وقت آپ ہمارے پیچھے پیچھے پھریں گے اب ایک بات قابل بیان رہی وہ یہ کہ اس دستور العمل کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ محققین کے رسائل دیکھو اور محققین سے مسائل پوچھو اور ان کے پاس آمدورفت رکھو اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ محققین کون لوگ ہیں یہ بہت کٹھن(۵) سوال ہے جس نے مسلمانوں کو اس

(۱) ''چتر سنجری کی طرح میرا منہ کالا ہو'' (۲) ''چتر سنجری کی طرح میرا منہ کالا ہوا گر میرے دل میں ملک سنجر کا وسوسہ بھی ہو مجھے جب سے نیم شب کی سلطنت حاصل ہوئی ہے میری نظر ملک نیمروز کی سلطنت ایک جو کے برابر نہیں ہے'' (۳) اس نسبت میں (۴) مزیدار (۵) مشکل۔

وقت پریشان کر رکھا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ علماء میں باہم سخت اختلاف ہے۔ کوئی ایک بات کو حرام کہتا ہے تو دوسرا اس کو جائز کہتا ہے کوئی ایک بات کو سنت کہتا ہے تو دوسرا اس کو بدعت بتلاتا ہے اب کس کی مانیں کس کی نہ مانیں یا تو سب پر عمل کریں یہ تو غیر ممکن ہے یا ایک کو دوسرے پر ترجیح کی وجہ کیا۔ لہٰذا بعض نے تو یہ فیصلہ کیا کہ سب کو چھوڑ دو۔

علماء کا باہم اختلاف اور اس کا جواب

صاحبو! مجھے اس فیصلہ کی تو شکایت نہیں مگر رونا اس کا ہے کہ جب یہی صورت اختلاف فنون دنیا کے ماہروں میں پیش آئی تو وہاں آپ نے یہ فیصلہ کیوں نہیں کیا وہاں کسی ایک کو ترجیح دے کر کیوں پکڑا یعنی بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی مریض کے علاج میں اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے مختلف ہوتی ہے کوئی کچھ مرض کی تشخیص کرتا ہے کوئی کچھ اور ہر ایک اپنی رائے کو صحیح بتلاتا ہے اور دوسرے کی رائے پر عمل کرنے کو مریض کے لیے مہلک بتلاتا ہے وہاں آپ نے سب حکیموں کو کیوں نہیں چھوڑا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ افسوس اطباء میں اتفاق ہی نہیں اب ہم کس کا علاج کریں بس جاؤ مریض کو مرنے دو ہم کسی کا بھی علاج نہیں کرتے وہاں آپ ایک حکیم کو ترجیح دے کر اس کا علاج کیوں کرتے ہیں علیٰ ہذا اپنے وکلاء کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیوں نہیں کیا جو علماء کے ساتھ کیا گیا ہے کیا وکلاء میں باہم اختلاف نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے اور یقیناً ہوتا ہے پھر وہاں ایک وکیل کو دوسرے پر ترجیح کیوں دی جاتی ہے اور سب کو کیوں نہیں چھوڑا جاتا اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے۔ لیجئے میں ہی اس کا جواب بھی دے دیتا ہوں جو ایک گہری بات ہے وہ یہ کہ دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں ایک وہ جن کو ضروری سمجھا جائے دوسرے وہ جن کو ضروری نہ سمجھا جائے۔ جن باتوں کو ضروری سمجھا جاتا ہے ان کو تو کسی اختلاف کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا بلکہ وہاں آدمی اپنی عقل سے تدبیر سوچتا ہے اور باوجود اختلاف کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے لیتا ہے اور جن باتوں کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی ان کو

اختلاف وغیرہ کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہاں تدبیر وتامل (۱) سے ایک کو ترجیح دینے کی مشقت گوارا نہیں کی جاتی۔ یہ قاعدہ ہے طبیعت انسانیہ کا۔ اسی کے موافق یہاں عمل کیا گیا ہے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں جان اور ایمان۔ جان چونکہ عزیز ہے اس لیے اس کی صحت وحفاظت کے اسباب میں اختلاف ہونے سے سب کو ترک نہیں کیا جاتا بلکہ وہاں یہ قاعدہ نکالا جاتا ہے کہ اہل کمال میں تو اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اس سے گھبرانا نہ چاہئے ہم اپنی عقل سے اور اپنے خیر خواہوں سے دریافت کریں گے کہ ان سب حکیموں اور ڈاکٹروں میں کون سب سے زیادہ حاذق ہے (۲) بس اس کا علاج اختیار کرلیں گے۔ اور ایمان عزیز نہیں اس لیے علماء کے اختلاف میں عقل سے کام لینا اور غور وتامل کی محنت برداشت کرنا گوارا نہیں۔

علماء حق کا انتخاب

تو اے صاحبو! اگر آپ ایمان کو بھی عزیز سمجھتے تو علماء میں بھی اسی طرح انتخاب کرتے جس طرح حکماء میں کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس آپ کو ایمان عزیز نہیں اس لیے صاف سب کو چھوڑ دیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس اختلاف میں مولویوں کی خطا نہیں ہے بلکہ ضرور ہے اور آگے میں یہ بھی بتلادوں گا کہ ان میں سے خطا کن کی ہے، مگر آپ کی اتنی شکایت ضرور کروں گا کہ اس اختلاف کی وجہ سے سب کو چھوڑ دینا یہ بے ترتیب اور غلط رائے ہے جو ایمان کو عزیز نہ سمجھنے کی علامت ہے بعض لوگ اس اختلاف کو دیکھ کر علماء کو رائے دیتے ہیں کہ سب مولویوں کو متفق ہوجانا چاہئے نااتفاقی بری چیز ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا نااتفاقی علی الاطلاق جرم ہے یا اس کے لیے کوئی قید بھی ہے اگر نااتفاقی علی الاطلاق جرم ہے اور اس کی وجہ سے ہر فریق مجرم ہوجاتا ہے تو عدالت کو چاہئے کہ جب اس کے پاس کوئی مدعی دعوے پیش کرے تو قبل تحقیق مقدمہ ہی مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو سزا کردیا کرے کیونکہ دعوے اور انکار سے دونوں میں نااتفاقی علی الاطلاق جُرم

(۱) سوچ بچار (۲) ماہر۔

ہے مدعی اور مدعی علیہ دونوں مجرم ہوئے اگر عدالت ایسا کرے تو سب سے پہلے آپ ہی مخالف ہوں گے اور دنیا بھر میں شوروغل مچادیں گے کہ یہ کون سا انصاف ہے کہ تحقیق مقدمہ سے پہلے ہی دونوں کو مجرم بنادیا گیا اب اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ پھر کیا کرنا چاہئے تھا تو آپ عاقل بن کر یہ رائے دیں گے کہ عدالت کو تحقیق کرنا چاہئے تھا کہ مدعی اور مدعی علیہ میں جو باہم مخالفت ونااتفاقی ہے تو ان میں سے حق پر کون ہے اور ناحق پر کون ہے جو حق پر ہوتا اس کی حمایت کی جاتی اور جو ناحق پر ہوتا اس کو سزادی جاتی۔ لیجئے آپ ہی کے فیصلہ سے ثابت ہوگیا کہ نااتفاقی علی الاطلاق جرم نہیں بلکہ نااتفاقی وہ جرم ہے جو ناحق ہو اور جو نااتفاقی بحق ہو وہ جرم نہیں اور اگر کسی معاملہ میں دوفریق ہوجائیں تو ہر فریق کو مجرم نہیں کہا جاسکتا بلکہ جس کی مخالفت ناحق ہو وہ مجرم ہے اور جو بحق ہو(۱) وہ مجرم نہیں۔ پس علماء کی باہم نااتفاقی اور اختلاف سے آپ کا سب کو مجرم بنانا اور ہر فریق سے یہ کہنا کہ دوسرے سے اتفاق کرلو غلط رائے ہے بلکہ اول آپ کو تحقیق کرنا چاہئے کہ حق پر کون ہے ناحق پر کون ہے پھر جو ناحق پر ہو اسے مجرم بنائے اور اس کو اہل حق کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور کیجئے ورنہ اہل حق کو دوسروں کے ساتھ اتفاق پر مجبور کرنے کے تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ حق کر چھوڑ کر ناحق طریق اختیار کرلیں اور اس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا تو اتنی شکایت آپ کی رہ گئی کہ آپ قبل از تحقیق ہی سب کو متفق ہوجانے کی رائے دیتے ہیں اور مولویوں کی شکایت ہم کو بھی ہے مگر صرف ان کی جو ناحق پر ہیں۔

اختلاف اُمت رحمت ہے

اور اگر یہ کہا جائے کہ صاحب دوسرا فریق بھی اتفاق سے مجبور ہے کیونکہ ان کی سمجھ میں یوں ہی آیا وہ اسی کو حق سمجھتے ہیں جو ان کی سمجھ میں آیا تو جناب ایسا اختلاف تو اختلاف رحمت ہے اس اختلاف سے فتنے اور فساد کی نوبت نہیں آیا کرتی۔ دیکھئے آئمہ اربعہ

(۱) جو حق پر ہو۔

میں سمجھ ہی کا اختلاف ہے۔ مگر اس کے ساتھ پھر سب متفق ہیں کوئی ایک دوسرے پر ملامت وطعن نہیں کرتا بلکہ ہر ایک سب کو حق پر سمجھتا ہے اگر ایسا اختلاف ہوتا تو مسلمانوں کو آج یہ پریشانی نہ ہوتی جو آنکھوں سے نظر آرہی ہے بلکہ یہ اختلاف تو روٹیوں کا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اہل حق کے پاس کافی روپیہ ہو اور وہ ان سب فرقوں کی تنخواہ مقرر کردیں تو سارا اختلاف ایک دن میں مٹ جائے یہ سارا اختلاف پیٹ کی وجہ سے ہے کوئی مولود پر زور دیتا ہے کوئی فاتحہ پر کوئی تیجہ، دسویں پر ایک عالم سے جو بدعات کے بڑے حامی ہیں کسی نے سوال کیا کہ تم تو مولود وفاتحہ کو سنت کہتے ہو اور ان پر بہت زور دیتے ہو اور جو ان سے منع کرے اس کو برا بھلا کہتے ہو پھر یہ کیا وجہ ہے کہ تمہاری مستورات بہشتی زیور پڑھتی ہیں (اللہ کی شان ہے کہ اس کتاب کو سب مسلمان اپنی مستورات کے لیے تجویز کرتے ہیں خواہ وہ کسی خیال کے ہوں، چنانچہ ان عالم صاحب کی مستورات بھی بہشتی زیور پڑھتی تھیں ۱۲) تو انہوں نے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ سارا اختلاف تو اس کی خرابی ہے ورنہ حق وہی ہے جو بہشتی زیور میں لکھا ہے۔

زمانہ طاعون میں تیجہ دسواں موقوف رہا

میں نے ایک دفعہ لکھنؤ میں دیکھا کہ ہر کھانے پر الگ الگ فاتحہ دی جارہی ہے پھر وہاں بیان کی فرمائش ہوئی تو میں نے اس بیان میں کہا کہ فاتحہ ومولود کے سنت اور بدعت ہونے کا امتحان بہت آسانی سے اس طرح ہوسکتا ہے کہ جو مولوی صاحب مولود پڑھیں یا فاتحہ دیں ان کو کچھ دیا نہ جائے ان سے خوب مولود پڑھواؤ اور الگ الگ ہر رکابی پر فاتحہ دلواؤ مگر نذرانہ کچھ نہ دو نہ مٹھائی کا دوہرا حصہ دو پھر دیکھنا وہ خود ہی اس کو فضول اور بدعت کہنے لگیں گے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اسی روز شام کو آکر ایک فاتحہ خواں صاحب کہنے لگے کہ واقعی یہ تو ایک فضول سا قصہ معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ فاتحہ ہو ایک ہی کافی ہے میں نے جی میں کہا کہ اب تو معلوم ہو ہی گیا صاحبو!

میں سچ کہتا ہوں کہ ان کی آمدنی بند کردو تو وہ خود ہی کہنے لگیں گے کہ سب فضول قصہ ہے یہ ساری باتیں روٹیاں کھانے کی ہیں۔ جب ایک سال طاعون بہت زور کا ہوا تو میں دیکھ رہا تھا کہ چنے پڑھوانا اور فاتحہ دلوانا اور تیجہ دسواں سب موقوف ہے میں دیکھتا رہا جب طاعون کا زور ختم ہوگیا تو میں نے لوگوں سے کہا کہ کیوں جناب وہ چنے اور فاتحہ کہاں گئے اور اب وہ تیجے دسویں کیوں نہیں ہوئے۔ کہنے لگے اجی ان باتوں کی کسے فرصت تھی میں نے کہا بھلا اس عدیم الفرصتی میں کسی نے جنازہ کی نماز بھی چھوڑی اور کفن دفن بھی چھوڑا کہا نہیں۔ میں نے کہا بس سمجھ لو جو کام حذف ہوگئے وہ دین کے کام نہ تھے بلکہ فرصت کی باتیں تھیں اور یہ دین کے کام تھے اس لیے یہ کم فرصتی میں بھی ترک نہ ہوئے بس خاموش ہی تو ہوگئے۔ اسی طرح گاؤں کے ایک صاحب کہنے لگے کہ فاتحہ میں حرج کیا ہے بلکہ فائدہ ہے کہ اس میں سورتوں کا ثواب بھی مردوں کو پہنچ جاتا ہے، میں نے کہا یہ فائدہ تو کھانے کے ساتھ مخصوص نہیں روپے پیسے اور کپڑے میں بھی ہوسکتا ہے پھر کبھی اللہ نام کے روپے پیسے اور کپڑے پر بھی فاتحہ پڑھی کہنے لگے کبھی نہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں پڑھی مردہ کو فائدہ ہی ہوتا سورتوں کا بھی ثواب پہنچ جاتا کہنے لگے اجی بس سمجھ میں آ گیا تم سچ کہتے ہو۔ صاحبو! یہ بالکل کھلی ہوئی باتیں ہیں یہ سارے قصے محض آمدنی کے واسطے نکالے گئے ہیں اگر ان فاتحہ مولود پڑھنے والوں کی آمدنی بند کردی جائے تو پھر دیکھئے وہ بھی وہی کہنے لگیں گے جو ہم کہتے ہیں اس مجلس میں میں نے سنت وبدعت کی تحقیق بیان نہیں کی بلکہ وہ باتیں بیان کردی ہیں جو بہت موٹی ہیں جن سے ہر شخص کو بآسانی حق کا پتہ چل سکتا ہے۔ اگرچہ بحمد اللہ سنت وبدعت کی شناخت کے حقیقی اصول بھی اپنے پاس موجود ہیں مگر۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبر نیست کہ نیست (۱)

(۱) ”راز کا فاش کرنا مصلحت کے خلاف ہے ورنہ عارفین کی مجلس میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ نہ ہو“۔

علماء اہل حق کی پہچان

ہاں اگر کوئی طلب ظاہر کرے اور ہمارے پاس آکر رہے تو اس کو وہ اصول بھی بتلادیں گے۔ غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ اختلاف علی الاطلاق محل شکایت نہیں ہوسکتا بلکہ پہلے آپ حق کو متعین کیجئے اس کے بعد دیکھئے کہ علماء مختلفین میں سے حق پر کون لوگ ہیں اور ناحق پر کون اس طرح محقق اور غیر محقق کی پہچان ہوجائے گی جس کی میں ایک آسان ترکیب بتلاتا ہوں وہ یہ کہ دو قسم کے لوگ ہیں بعض تو پڑھے لکھے ہیں خواہ اردو ہی میں لکھے پڑھے ہوں اور بعض ان پڑھ ہیں پہلے طبقہ کے لیے تو تحقیق حق کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سب علماء کی کتابیں دیکھیں مگر دونوں طرف کے علماء کی کتابیں خالی الذہن ہوکر انصاف کے ساتھ دیکھیں پہلے سے کسی کی طرف داری اور حمایت کا خیال دل میں نہ لائیں کیونکہ اعتقاد کے بعد اس کی ہر بات اچھی معلوم ہوگی اور عیب نظر نہ آئے گا سو تحقیق حق کا یہ طریقہ نہیں بلکہ اس کا طریقہ یہی ہے خالی الذہن ہوکر دونوں کی کتابوں کا مطالعہ انصاف کے ساتھ کیا جائے خدا کے ساتھ معاملہ ہے اس کو پیش نظر رکھ کر دیکھنا چاہئے ان شاء اللہ تعالیٰ اگر طلب حق ہے تو بہت جلد آپ کے ذہن میں خود بخود حق واضح ہوجائے گا۔ جب ایک کا حق پر ہونا معلوم ہوجائے تو بس اسی سے تعلق رکھو اور اسی سے دین کی باتیں اور خدا کا راستہ دریافت کرو مگر دوسرے کو بھی برا نہ کہو کیونکہ کسی کو برا بھلا کہنے سے تمہارا کیا بھلا ہوجائے گا۔ بس تم اپنی یہ حالت رکھو۔

ہمہ شہر پر ز خوبان منم وخیال ما ہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے (۱)

دیکھو اگر کوئی شخص کسی حسین پر عاشق ہوجائے تو وہ دوسرے حسینوں کو گالیاں بھی نہیں دیا کرتا بس یہ کہتا ہے کہ کوئی اور بھی حسین ہو مگر میں تو اپنے محبوب ہی کا عاشق ہوں اور یہ حال ہونا چاہیئے۔

دل آرامیگہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند (۲)

اگر کوئی برا بھی ہو تو اس کو برا نہ کہو وہ اگر برا ہے تو تم کو کیا اور اگر دوسرا تم کو برا

(۱) ''تمام شہر محبوبوں سے بھرا ہوا میں ہوں اور خیال ایک محبوب کا ہے کیا کروں کہ چشم بدخو کسی کی طرف دیکھتی ہی نہیں'' (۲) ''جس دل آرام (محبوب سے) تمہارا دل گرفتار ہے تو پھر تمام عالم سے آنکھ بند کرلو''۔

کہے جب بھی تم اسے کچھ نہ کہو ذوق نے خوب کہا ہے۔

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے

یزید کو برا کہنا کیسا ہے؟

کان پور میں ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید کو برا کہنا جائز ہے کہ نہیں؟ میں نے کہا جائز ہے اگر یہ اطمینان ہو کہ تم اس سے اچھی حالت میں مروگے اور ظاہر ہے کہ مرنے سے پہلے یہ اطمینان ہو ہی نہیں سکتا پس اپنا انجام دیکھنے سے پہلے اس کو برا نہ کہنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ یزید ہی ہم پر ملامت کرے کہ تم مجھے کس منہ سے برا کہتے تھے ذرا اپنی حالت تو دیکھو اور ظاہر ہے کہ زندگی میں خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ اب تو یہ حالت ہے۔

کہ رشک برو فرشتہ برپا کی ما گہ خندہ زندویوز ناپاکی ما
ایمان چو سلامت بلب گور بریم احسنت بریں چستی وچالاکی ما(۱)

جب یہ حالت ہے تو کیوں کسی کو برا کہے۔ کیا تبرا(۲) کرنے سے کچھ ثواب ملتا ہے میاں اپنی خیر مناؤ کسی سے تم کو کیا لینا اور یاد رکھو کہ کسی کو برا بھلا وہی کہے گا جسے کوئی کام نہ ہو اور جو کام میں لگا ہوتا ہے اس کو اس کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

ارشاد حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ ایک حکیم نے کسی درویش کو ایک آدمی سے لڑتے ہوئے دیکھا اور فیصلہ کیا۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو چوں بگذشت بر عارف جنگ جو
گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے(۳)

(۱) ''کبھی فرشتہ ہماری پاکی پر رشک کرتا ہے کبھی ہماری ناپاکی پر ہنستا ہے ایمان جب گور کے کنارے پر سلامت لے جائیں تو ہماری چستی وچالاکی پر آفریں ہے'' (۲) دوسرے کو برا بھلا کہنے سے (۳) ''بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جبکہ وہ عارف جنگ جو پر گزرے اگر اسی مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا''۔

حکیم نے کہا کہ اگر اس درویش کو خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی تو اسے لڑنے کی فرصت کہاں ہوتی۔ دیکھو اگر ہم اپنے کسی مجازی محبوب کو دیکھ لیں تو اس وقت اس کی صورت دیکھیں گے اور خدمت میں مشغول ہوں گے یا لوگوں سے کشتم کشتا ہوں گے(۱)۔غرض محقق کا پتہ لگانے کے بعد اتباع تو اسی کا کرو مگر برا بھلا دوسروں کو بھی نہ کہو یہ طریقہ تو پڑھے لکھوں کے واسطے ہے اور جو بے پڑھے ہوں وہ یہ کریں کہ دو مولویوں کے پاس جا کر ایک ایک ہفتہ رہیں اور جو وقت ان کی فرصت کا ہو (دریافت کرنے سے معلوم ہوجائے گا) اس میں ان کے پاس بیٹھیں اور ان کی باتیں سنیں اور دیکھیں کہ جو مسائل متفق علیہ ہیں ان کی پابندی کا کس کو زیادہ اہتمام ہے اور نیز یہ کہ کس کے پاس جا کر کیا اثر ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پاس جا کر آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو، عبادت الٰہی کا شوق بڑھے اور خدا کی نافرمانی سے دل میں نفرت اور خوف پیدا ہو اور اس کے پاس رہنے والوں کی زیادہ تر حالت اچھی ہو تو بس اس کو اختیار کرلیں اسی سے ہر بات پوچھا کریں اور اس کی صحبت میں گاہے گاہے آیا جایا کریں (اور یہ طریقہ پڑھے لکھے کو بھی بہت مفید ہے محض کتابوں کے مطالعہ سے کسی عالم کی اصلی حالت ایسی نہیں معلوم ہوتی جیسی پاس رہنے سے معلوم ہوتی ہے اس لیے وہ بھی اگر یہ طریقہ اختیار کریں تو زیادہ بہتر ہے ۱۲) ان کی صحبت سے آپ کو اموال واولاد کے حقوق معلوم ہوں گے اس وقت آپ کو بھی میت کے مال میں بدوں ورثا کی اجازت کے تصرف کرنا گوارا نہ ہوگا اور ان بزرگ کی حکایت پر تعجب نہ ہوگا جنہوں نے اپنے دوست کے مرتے ہی چراغ گل کرکے بازار سے ایک پیسہ کا تیل منگایا تھا بلکہ آپ خود بھی ایسی ہی احتیاط کیا کریں گے اور پھر آپ کو آم وغیرہ کی بیع میں بھی اس طریقہ کی ضرورت معلوم ہوگی جو میں نے بیان کیا ہے غرض ہماری حالت کی خرابی کا زیادہ تر سبب یہ حب مال ہی ہے جس سے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں بزرگوں کی صحبت سے ان شاء اللہ یہ پردے اٹھ جائیں گے۔

(۱) لڑیں گے۔

حب مال کا علاج

صاحبو! ایک تو ہمارا مرض حب مال ہے(۱) جس سے ہمارے اندر اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور حب مال ہی سے بعض لوگ دوسروں کی آبرو کے درپے ہوتے ہیں اور حب مال ہی کی وجہ سے انسان رشوت لیتا ہے اور اسی کی وجہ سے ہمارے دلوں میں خدا کی محبت پیدا نہیں ہوتی اور دوسرا مرض حب اولاد ہے یہ بھی بہت سے گناہوں کا سبب ہے۔ کہیں اولاد کی صحت وتندرستی کے لیے ٹونے ٹوٹکے کئے جاتے ہیں(۲) جو شرک میں داخل ہیں کہیں اولاد ہونے کے لیے قبروں پر نذرانے چڑھائے جاتے ہیں، غیر اللہ کی منت مانی جاتی ہے اور اولاد ہی کے لیے مال کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے۔ جائیدادیں خریدی جاتی ہیں پھر اس میں حلال وحرام کی بھی تمیز نہیں کی جاتی۔ کبھی مال بڑھانے کے لیے سود لیا جاتا ہے، کبھی کسی کا حق بلاوجہ دبالیا جاتا ہے جس سے مقدمہ بازی کی نوبت آتی ہے۔ غرض یہ امراض ہمارے اندر پھیلے ہوئے ہیں جن کا منشا ان دو چیزوں کی محبت ہے مال کی اور اولاد کی۔

لفظ فتنہ کا مفہوم

اسی کو حق تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتے ہیں: إِنَّمَآ أَمۡوَٰلُكُمۡ وَأَوۡلَٰدُكُمۡ فِتۡنَةٞ کہ تمہارے اموال واولاد محض فتنہ ہیں اس میں فتنہ کا لفظ ایسا عجیب ہے جس سے نفع کی طرف بھی اشارہ ہے اور ضرر(۳) کی طرف بھی۔ کیونکہ فتنہ کا لفظ محاورات میں ضرر کے موقعہ پر بولا جاتا ہے (اور شریعت میں بھی ایسے مواقع پر اس کا استعمال موجود ہے۔ چنانچہ احادث میں ابواب الفتن کے نام سے ایک باب منعقد کیا گیا ہے جس میں آخر زمانہ کے فتنوں کا بیان ہے اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آخر زمانہ میں ایسے ایسے فتنے ہوں گے اور ظہور فتن علامت قرب ساعت کی ہے۔ ان احادیث میں فتنہ سے پریشان کن واقعات اور برے حالات ہی مراد ہیں ۱۲) اس معنی کے اعتبار

(۱) مال کی محبت (۲) تعویذ گنڈے (۳) نقصان۔

سے تو اموال واولاد کو فتنہ کہنا ان کے مضرت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ چیزیں انسان کو مضرت(۱) میں مبتلا کرنے والی ہیں اور لغت کے اعتبار سے فتنہ کے معنی آزمائش اور امتحان کے ہیں جس کا نتیجہ کبھی نفع بھی ہوتا ہے۔

مال اور اولاد میں امتحان

اس لحاظ سے اموال واولاد کی منفعت کی طرف بھی اشارہ ہوگا کہ یہ چیزیں تم کو خدا تعالیٰ نے اس لیے دی ہیں تا کہ تمہارا امتحان ہو کہ مال کو طاعات میں خرچ کرتے ہو اور اس صورت میں نافع ہو یا معاصی میں اور اس صورت میں مضر ہو اور ان کے حاصل کرنے میں حلال وحرام کی پرواہ کرتے ہو یا نہیں۔ اسی طرح اولاد کی پرورش وتربیت میں حدود شرعیہ کا لحاظ کرتے ہو یا نہیں اور ان کی وجہ سے احکام الٰہیہ میں تو سستی نہیں کرتے چنانچہ مال فی نفسہ (۲) بری چیز نہیں بلکہ اس میں بعض فوائد بھی ہیں مثلاً اگر مال اپنے پاس ہو تو اس سے فراغ قلب حاصل ہوتا ہے۔ قلب مطمئن رہتا ہے اور اس صورت میں طاعات بھی اطمینان وفراغ کے ساتھ ادا ہوتی ہیں اور مال نہ ہو تو یہ حالت ہوتی ہے۔

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم(۳)

ایک ایرانی نے اس شعر کی شرح یہ کی کہ

شب جو عقد نماز بر بندم بجائے تکبیر تحریمہ میگویم چہ خورد بامداد فرزندم

کہ رات کو نماز کی نیت میں اس طرح باندھتا ہوں کہ کل کو بچے کہاں سے کھائیں گے گویا یہ الفاظ بجائے نیت وتحریمہ کے کہے جاتے ہیں واقعی اہل زبان اپنی زبان کو خوب سمجھتے ہیں۔ مطلب تو اچھا بیان کیا۔ غرض خواہ یہی نیت کے قائم مقام ہو یا نیت کے بعد یہ خیال آوے تنگی اور پریشانی میں عبادت بھی اچھی طرح ادا نہیں ہوتی تو مال کا یہ بڑا نفع

(۱) پریشانی (۲) اپنی ذات میں برا نہیں (۳) ”کہ رات کو جب نماز کی نیت باندھتا ہوں تو یہ خیالات اور وسوسے دل میں آتے ہیں کہ کل کو بچے کہاں سے کھائیں گے کیونکر ہوگا“۔

ہے کہ اس سے فراغ حاصل ہوتا ہے۔ نیز مال ہوتو دوسروں کی مدد بھی کرسکتا ہے۔ مثلاً اس وقت ترکوں کے معاملہ میں مالدار ہی زیادہ مدد کرسکتے ہیں یہ تو فوائد ہیں اور مضرتیں وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں اس لیے مال امتحان کی چیز ہے کہ اس کو حاصل کرکے احکام شرعیہ پر قائم رہنا بڑے مرد کا کام ہے اور اگر ذرا ہمت سے کام لیا جائے تو کچھ زیادہ دشواری نہیں بس مال میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں ایک یہ کہ آمد قاعدہ کے موافق ہو دوسرے خرچ قاعدہ کے موافق ہو بعض لوگ آمد میں تو احتیاط کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر خرچ میں اس کی رعایت نہیں کرتے بس یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارا مال ہے جس طرح چاہیں خرچ کریں حالانکہ تم تو خود بھی اپنے نہیں ہو بلکہ خدا کے ہو پھر مال تمہارا کدھر سے ہوا بلکہ تم محض امین ہو اور مال تمہارے ہاتھ میں امانت ہے اور امانت میں خیانت کرنا جرم ہے لہٰذا مال میں تم خلاف مرضی حق کسی تصرف کے مجاز نہیں ہو بس چونکہ مال میں مضرت کے ساتھ نفع بھی ہے اس لیے اس کو فتنہ فرمایا یعنی آزمائش کی چیز اسی طرح اولاد میں منافع بھی ہیں مضار بھی مضرتوں کا بیان تو اوپر ہوچکا اور منافع یہ ہیں کہ اولاد کے نیک اعمال سے والدین کو نفع ہوتا ہے اور وہ مرنے کے بعد دعا یا ایصال ثواب سے والدین کو یاد رکھیں تو ان کے درجات بلند ہوتے ہیں اس لیے وہ بھی فی نفسہ بری چیز نہیں بلکہ امتحان کی چیز ہے اگر آدمی اس امتحان میں کامیاب ہوتو مالدار ہونا اور صاحب اولاد ہونا کمال ہے نقص نہیں۔

اموال اور اولاد کے امتحان ہونے میں ایک شبہ

ایک صاحب نے یہاں فتنہ کے مشہور معنے سمجھ کر اعتراض کیا کہ حق تعالیٰ نے اولاد کو فتنہ فرمایا ہے اور احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی ترغیب دی ہے جو اولاد کے لیے موضوع ہے(۱) اور خود ازواج کا نافع ہونا بھی اس سے ثابت ہوتا ہے تو ان دونوں میں اجتماع کیسے ہوگا اور اس سے انہوں نے نتیجہ یہ نکالا تھا کہ نکاح ہی نہ کرے

(۱) اولاد حاصل کرنے کے لیے ہی مقرر ہوا ہے۔

میں نے کہا جناب آپ کو نکاح تو یاد رہا مال یاد نہ رہا اس پر بھی تو یہی اشکال ہے کہ حق تعالیٰ نے اموال کو فتنہ فرمایا ہے اور حدیث میں کسب مال کی ترغیب ہے بلکہ امر ہے چنانچہ ارشاد ہے: کسب الحلال فریضة بعد الفریضة ۱۲) تو مال کے نہ کمانے کا بھی نتیجہ نکالنا چاہیئے اور نوکری چھوڑ دینا چاہیئے (اور یہ شخص نوکر تھے مگر پہلی بیوی کے مرنے پر دوسرا نکاح نہ کرتے تھے) پھر میں نے کہا کہ حق تعالیٰ نے جو اموال واولاد کو فتنہ فرمایا ہے تو اس میں ان کی مذمت نہیں کی بلکہ ان کو امتحان کی چیز فرمایا ہے اور اگر مذمت ہی تسلیم کی جائے تو علی الاطلاق نہیں بلکہ بعض افراد کے اعتبار سے ہے کیونکہ اسی جگہ اوپر کی آیت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ (۱) جس میں من تبعیضیہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب افراد ضرر رساں نہیں بلکہ بعض ان میں سے معین اور مفید بھی ہیں پس ترغیب نکاح انہی افراد کے لحاظ سے ہے (اسی لیے جس شخص کو نکاح سے ابتلاء بالمعاصی (گناہوں میں مبتلا ہونے کا) اندیشہ ہو اس کے لیے نکاح مسنون نہیں کما صرح به الفقهاء (جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے)۔

اصل کمال

بہرحال مجرد (۲) ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں اور مفلس ہونا بھی کوئی خوبی کی بات نہیں۔ کمال تو یہی ہے کہ سب کچھ ہو مال بھی اولاد بھی بیوی اسباب بھی اور پھر احکام الٰہیہ کی مخالفت نہ ہو دیکھو سب انبیاء علیہم السلام صاحب ازواج تھے بجز عیسیٰ علیہ السلام کے (اور وہ بھی اخیر میں نکاح کریں گے ۱۲) اسی طرح انبیاء علیہم السلام مفلس نہ ہوتے تھے ہاں زاہد ہوتے تھے کہ حق تعالیٰ نے ان کو دیا سب کچھ مگر جمع نہیں کیا بلکہ حاجت مند لوگوں کو بانٹ دیا کرتے اور خود خالی ہاتھ رہتے تھے اور اگر کسی کو اس کی ہمت ہو تو یہ بہت بڑا کمال ہے مگر میں آج کل مسلمانوں کو خالی ہاتھ رہنے کی رائے نہیں دیتا بلکہ وہ

(۱) بے نکاح کئے رہنا (۲) ''تمہارے بعض ازواج اور اولاد تمہارے دشمن ہیں'' سورۃ التغابن ۱۴۔

رائے دیتا ہوں جو حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ والوں کو دی تھی وہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل اگر کسی کے پاس کچھ دینار ہوں تو ان کی قدر کرے۔

کیونکہ پہلے تو ایسا زمانہ تھا کہ روپیہ پاس ہونے سے دین پر اندیشہ ہوتا تھا اور اب وہ زمانہ ہے کہ روپیہ پاس نہ ہونے سے دین پر اندیشہ ہے اور روپیہ پاس ہو تو دین کی حفاظت رہتی ہے جب حضرت سفیان ثوریؒ ہی کے زمانہ میں یہ حالت ہو چلی تھی تو اب تو اس کی زیادہ ضرورت ہے، اس لیے ہمارے حضرات اپنے متعلقین کو ترک اسباب کی رائے نہ دیتے تھے چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک خان صاحب کسی جائداد کے مقدمہ میں دعا کرانے آیا کرتے تھے ایک بار آئے اور عرض کیا حضرت اب تو فلاں بنیئے نے میری زمین دبا ہی لی حضرت نے فرمایا بھائی جانے دو اور اللہ پر نظر کر کے صبر کرو خدا کچھ اور سامان کر دے گا حضرت حافظ محمد ضامن صاحب نے اپنے حجرہ میں سن لیا اور باہر نکل آئے اور خان صاحب سے فرمایا ہرگز صبر نہ کرنا جاؤ مقدمہ کرو عدالت میں دعویٰ کر دو ہم دعا کریں گے۔ اور حضرت حاجی صاحب سے فرمایا کہ سبحان اللہ آپ اپنی طرح ساری مخلوق سے صبر کرانا چاہتے ہیں چاہے کسی کو ہمت ہو یا نہ ہو۔ آپ کے تو بیوی ہے نہ بچہ ہے اکیلے تھے صبر کر کے بیٹھ گئے اس غریب کے پیچھے بیوی بچے لگے ہوئے ہیں وہ ان کے فقر و فاقہ پر کیسے صبر کرے گا۔ انجام یہ ہوگا کہ پریشان ہوگا اور توکل کی ہمت نہیں ہے تو کس کس کے مال پر نظر دوڑائے گا اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مولوی ترک دنیا نہیں کراتے بلکہ ترک بغاوت کراتے ہیں۔

شریعت نے ذرائع ترقی سے منع نہیں کیا

صاحبو! دنیا کماؤ مگر خدا کے حکم کے موافق کماؤ بغاوت کے ساتھ نہ کماؤ آخر دنیا کمانے میں حکام دنیا کے قوانین کی بھی تو تم رعایت کرتے ہو اور گورنمنٹ کی بغاوت سے بچتے ہو اسی طرح خدا کی بغاوت سے بھی بچتے رہو اور اگر پابندی احکام شرعیہ ترقی دنیا کے لیے مانع ہے تو پابندی احکام گورنمنٹ اس سے کیوں مانع نہیں دیکھئے بغاوت

میں تو بہت ترقی ہوتی ہے کہ بدوں کچھ کمال حاصل کئے سہولت سے روپیہ مل جاتا ہے چوری اور ڈاکہ زنی کر کے دولت خوب حاصل ہوتی ہے اور نوکری میں اول تو کمال کی ضرورت ہے پھر نوکری ملتی مشکل سے ہے اور ملے بھی تو تنخواہ سے زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے تحصیلدار اور ڈپٹی کو گھوڑا اور سائیس رکھنا بھی ضروری ہے ذرا لباس بھی اچھا رکھنا ہوتا ہے آنے جانے والوں کی دعوت ضیافت بھی کرنا ہوتی ہے اس لیے میں تو چندوں کے موقعہ پر کہا کرتا ہوں کہ ان امراء کو مت ستاؤ جیسے ان کی آمدنی زیادہ ہے ویسے ہی ان کا خرچ بھی بہت زیادہ ہے۔ غرض بظاہر ترقی کا سب سے اچھا ذریعہ ڈکیتی اور چوری ہے جس کو گورنمنٹ نے جرم قرار دیا ہے لیکن گورنمنٹ سے کوئی نہیں کہتا کہ آپ نے ترقی کے ذرائع بند کر دیئے ہیں اللہ میاں ہی مفت کے مل گئے ہیں کہ کسی بات کو جرم قرار دیں تو کہا جاتا ہے کہ شریعت نے ترقی کا راستہ بند کر دیا کہ سود بھی حرام رشوت بھی حرام، فصل سے پہلے آموں کی بیع بھی حرام میں کہتا ہوں ذرا گورنمنٹ سے بھی تو پوچھو کہ آپ نے ڈکیتی کو بھی ممنوع چوری اور رشوت کو بھی ممنوع کر دیا اور ترقی کا ذریعہ کیا نکالا نوکری اور تجارت، سو تجارت کے لیے تو سب کے پاس روپیہ نہیں ہے اور نوکری میں خرچ زیادہ ہے سب سے آسان ذریعہ ترقی کا چوری اور ڈکیتی اور رشوت تھی انہیں کو آپ نے منع کر دیا کیا کسی کو ہمت ہے کہ گورنمنٹ سے یہ سوال کرے ہرگز نہیں بلکہ یہاں تو سب یہ کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے ذرائع ترقی کو بند نہیں کیا بلکہ ناجائز وسائل سے روکا ہے تو میں کہتا ہوں اسی طرح شرع نے بھی ذرائع ترقی کو بند نہیں کیا بلکہ ناجائز وسائل سے منع کیا اور ترک بغاوت کی تعلیم کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے دنیا نہ کماؤ خواہ ایک ہی جزو میں نافرمانی ہو پس شریعت کے تابع ہو کر رہو پھر چاہے رئیس ہو جاؤ یا نواب یا ہفت اقلیم کے بادشاہ بن جاؤ ترقی مبارک ہے اور اس سے کوئی نہیں روکتا اور اگر دین کھو کر دنیا کمائی تو میں یوں کہوں گا۔

مبادا دل آں فروما یہ شاد   کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد(۱)

مال واولاد میں نفع

تو یہ ہے فتنہ کہنے کی وجہ کہ مال واولاد میں نفع بھی ہے اور ضرر بھی ہے اور ان سے ہماری آزمائش کی گئی ہے اگر امتحان میں کامیاب ہو گئے تو یہ دونوں مفید ہیں اور اگر ناکام ہو گئے تو دونوں مضر ہیں آگے ارشاد فرماتے ہیں **وَاللّٰهُ عِندَهٗٓ أَجۡرٌ عَظِيمٌ** (۲) اوپر یہ فرمایا تھا کہ تمہارے اموال واولاد تمہارے لیے ایک آزمائش کی چیز ہیں کہ دیکھیں کون ان میں پڑ کر خدا کے احکام کو بھول جاتا ہے اور کون یاد رکھتا ہے اب فرماتے ہیں کہ جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے گا تو اللہ کے پاس ان کے لیے بڑا اجر ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم کو عمل میں کچھ کوتاہی معلوم ہو یا عمل کچھ کم ہوتا نظر آوے تو گھبراؤ نہیں اور یہ مت سمجھو کہ اس عمل قلیل سے کیا فائدہ کیونکہ خدا تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے وہ تھوڑے سے عمل پر بہت اجرت دے سکتے ہیں اس لیے خدا کی ذراسی اطاعت کو بھی حقیر نہ سمجھو اللہ اکبر کیسی بشارت اور کتنا بڑا وعدہ ہے۔

بس اب میں ختم کرتا ہوں تو میں نے آیتیں تو کئی پڑھی تھیں اور بیان سب کا نہیں ہوسکا بلکہ صرف ایک آیت کا بیان ہوا ہے مگر اصولاً بحمد اللہ سب کے مضامین قریب قریب اسی میں آگئے ہیں اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ حق تعالیٰ عمل خیر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ (۳)

---

(۱) ”اس کمینے کا دل کبھی خوش نہ ہو جو دنیا کے پیچھے دین برباد کردے“ (۲) ”اور اللہ ہی کے ہاں اجر عظیم ہے“ سورۃ التغابن: ۱۵ (۳) اللہ تعالیٰ سب قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۴ رمضان ۱۴۴۲ھ

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

۱۔ مورخہ 8 ستمبر کو ملک کے نامور علماء کرام کا ایک وفد جامعہ ہذا تشریف لایا جس میں مولانا زاہد الراشدی مدظلہ العالی شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ اور حضرت قاری ریاض احمد انصاری مدظلہ مہتمم مدرسہ فتح العلوم گوجرانوالہ شامل تھے دوران ملاقات حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے جامعہ ہذا کے نظامِ تعلیم کا مکمل تعارف کروایا، جس پر تمام حضرات نے بے حد مسرت کا اظہار کیا۔

۲۔ مورخہ 13 ستمبر 2021ء جامعہ ہذا کی مجلسِ شوریٰ کا سالانہ اجلاس دفتر اہتمام میں ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے فرمائی۔ امسال اجلاس میں مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان وجنرل سیکرٹری وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور حافظ قاری عبد الوحید صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ ان دونوں اکابرین کو گزشتہ اجلاس شوریٰ میں جامعہ کی مجلس شوریٰ کا رکن مقرر کیا گیا تھا۔

۳۔ مورخہ 19 ستمبر 2021ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا، اجلاس کا آغاز مہتمم جامعہ ہذا حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ اجلاس میں متفقہ طور پر بلا مقابلہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ حضرت قاری صاحب نے بعد از اجلاس شیخ الاسلام مدظلہ کی خدمت میں مبارک باد پیش کی۔

۴۔ کرونا کی تعطیلات کے بعد تمام ایس او پیز کے ساتھ جامعہ میں تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہو چکا ہے، اکثر طلباء و اساتذہ نے کرونا ویکسین بھی لگوالی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام وبائی امراض اور ناگہانی آفات سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

۵۔ حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کا مختصر مگر انتہائی اہم رسالہ ''عقل و مذہب اسلام'' ادارہ اشرف التحقیق میں کمپوزنگ و تصحیح کے بعد مکمل ہو گیا ہے جو ان شاء اللہ جلد طباعت کے مراحل مکمل کر کے قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا۔

۶۔ بحمد اللہ تعالیٰ ادارہ اشرف التحقیق میں حضرت مولانا حافظ سعید احمد تھانویؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ''اخلاق محمدی ﷺ'' پر ترقیم و تخریج کا کام شروع ہوگیا ہے۔ اللہ پاک اس کام کی تکمیل کی توفیق، ہمت و استقامت نصیب فرمائے۔ آمین